مکمل ناول

''ملکی سیاست ایک بار پھر بحران کا شکار''

ماڈل ٹاؤن لاہور کے قدیم طرز پر بنے گھروں سے ایک گھر......

''اب ان چانپوں کو ہلکی آنچ پر زیتون میں بھونیں......''

روشنی نے پاؤں ہولے سے سمیٹ لیے گھر کی بیرونی دیواروں سے دھوپ کب کی چلی گئی۔

نیا منظر......

''لوفر مرو (دوستو) کبڈی کے اس آخری کے کھیل میں آخری سانس ڈالیں گے، سرداروں کے پتر......''

مٹی مٹی ہوئے اکھاڑے سے دھوپ دامن لپیٹ چکی ہے۔ میلے کا آخری دن اور کبڈی کا آخری کھیل......

''کیا ہوگی ڈونلڈ ٹرمپ کی مسلمانوں سے متعلق نئی حکمت عملی؟''

گھر کے اندر ہلکی آوازیں اور برتنوں کی کھٹ پٹ ہے۔ ٹی وی لاؤنج کے سبز کائی رنگ کے پردے کھڑکیوں کے آگے تنے ہیں۔ ٹیلی ویژن اونچی آواز میں چل رہا ہے۔ دو سیٹر صوفے میں دھنسا

نازیہ رزاق

دھواں لستہ

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

"پھر تو یہ بحث بھی ختم ہو گئی۔" کرنل نے سب ختم کر دیا۔

"اب کوئی مجھے خاندان، رکھ رکھاؤ اور معیار کے بھاشن دیتا ہے۔"

"کیسے ہوا یہ سب؟" حیرت پر خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

ذرا سی ... بے تحاشا سرخی آ گئیں۔ ... میں دوڑتے خون کی رفتار مزید تیز کر دی۔

"کیا کہا ... آپ نے ..." ... کیا

ایک سرد سی سرسراہٹ کرتی آواز، جون کے دنوں میں تپش گھولتی، خوب صورت نازکی اور ارغوانی بیلیں

سے ڈھکی انکھوں کے دھتوں سے بنی حویلی کے سرخ اینٹوں والے دالانوں اور چوباروں میں گونج پھرتی۔ آواز جامن تلے بچھی تین چار پائیوں تک لے جاتی۔ غٹاغٹ لسی کے گلاس چڑھانے کی آواز آتی۔ دور کہیں ٹریکٹر پر چلنے والا چناچولا توجہ سی کھینچتا۔

''داؤد! اوئے کھوتیا...... ماں دی گل سنتا دی ہے کہ اچار کے لسوڑے کانوں میں اڑسا بیٹھا ہے۔''

سنہری رنگت، راکھ بالوں والی دادی چھڑی سے، داؤد عباس چٹھہ کو ٹہوکا دیتیں۔

''سن رہا ہوں دادی...... سن رہا ہوں۔'' وہ اگلی روٹی شروع کرتا۔ تو گاؤ تکیے پر وزن بڑھاتی امی شروع ہوتیں۔

''وقت کامیابی کی دیوی ہے سردار داؤد عباس چٹھہ! یہ دیوی اک عمر بندے کی عاشق رہتی ہے مگر جوں ہی عاشق چوکتا ہوا، یہ دل شکن محبوب سا روپ دھار لیتی ہے۔ ابھی یہ دیوی تمہارے عشق میں ہے تو کیوں اس سے منہ موڑتے ہو؟ میلوں ٹھیلوں میں مداری اور کٹھ پتلی تماشا دیکھتے، کبڈی میں ہوائی ضائع کرتے ہو مستقبل کا کیوں نہیں سوچتے؟ ایف ایس سی ہوئے بھی سال سے اوپر ہونے کو آیا ہے۔ کچھ سوچتے ہو آگے کیا ہوگا۔ داؤد! تم سن رہے ہو؟''

سب کا مخصوص جملہ جانے کیوں اسے تصور باندھے پھرتے کہ وہ کسی کی کچھ نہیں سنتا ہے۔ اب کے سردار جی نے خرے بکسر کی اور اٹھ

''چائے بنادیں۔'' امی نے گھورا۔

''امی چائے بنادیں۔'' اسکے ہی پل پھر سے فرمائش۔

''امی! میں نے کہا، چائے بنادیں۔''

''داؤد! تم پاگل ہو۔ میں اٹھوں گی، چائے بناؤں گی پھر تمہیں دوں گی۔ وقت تو لگے گا ناں۔''

''یہی میں سوچوں تو قیامت اٹھادیتی ہیں آپ۔ میرے محنت کرنے، سول سروسز کرنے پھر سیٹل ہونے میں وقت تو لگے گا ناں۔ نہ جانے کیوں آپ چاہتی ہیں کہ میں کوئی ہوائی قسم کے جادو سے بیوروکریٹ بن جاؤں۔ امید ہے مجھے دوبارہ الفاظ ضائع نہیں کرنے پڑیں گے۔''

امی نے فخر سے بیٹے کی پشت کو دیکھا جو بولتا تو گنگ کردیتا۔ وہ عام سا لڑکا تھا۔ تحصیل جنڈیالہ شیر خان کے پانچ ہزار چون لڑکوں میں سے ایک...... عام سا لڑکا۔

☆☆☆

وقت کی عدالت میں مجمع لگا تھا۔ کردار سجے تھے، بنا کسی منصف کے دھڑا دھڑ فیصلے ہوتے۔ مدعی ایک اکتیس سالہ، سنہرے بالوں والی عورت...... روانی سے بہتی آنکھوں کے برعکس، آواز کو کمزور نہ پڑنے دیتی۔

''ابا وہ مجھے فاحشہ کہتا ہے...... میرے لکھے الفاظ کو گمراہی۔ وہ میری روح، میری سوچ، میرے وجود کو رگیدتا ہے۔ کیا میں پھر بھی اس ریشم سے رشتے پر گرہیں لگاتی رہوں؟''

الفاظ کا طوفان اس کی جانب اٹھ آیا گیا۔

Herbal
سوہنی شیمپو
SOHNI SHAMPOO
قیمت -/120 روپے
رجسٹری سے منگوانے پر ڈاک خرچ ادارے کے ذمہ ہوں گے
دو بوتل -/300 روپے تین بوتل -/400 روپے
اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ
بوٹی بکس 53، اورنگزیب مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ کراچی۔
دستی خریدنے کے لیے:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32216361

زمانے کی زبان کاٹ کے گرداب میں الجھاتا تو وہ بلبلاتی۔

''وہ مجھے زبانی اور عملی ٹھوکریں مارتا ہے۔ وہ میری عزت نفس کو کھیل جانتا ہے۔ ابا...... اگر یوں ہی مجھے مفلوج کرنا تھا تو چلنا ہی کیوں سکھایا؟ راستے بنانا، فیصلے کرنا پھران پر جم جانا۔ کیوں سکھایا؟ میری ابھی شبیوں کو پرخیال تصویر کیوں بننے دیا؟''

وہ بات جاری رکھتی خود کلامی سی کرتی۔

''مردوں کے لیے کوئی رحم نہیں ہوتا ابا! وہ میری زندگی کا گلتا سڑتا، بساند زدہ گوشت ہے وہ جسے مزید خود سے چپکائے رکھنا محال ہے۔ آپ کا زمانہ جو بھی کہتا ہے...... مجھے اپنی بیٹی کے لیے سر اٹھا کے جینا ہے اور یہ میں اپنے بل بوتے پر کر سکتی ہوں۔ مجھے اس شخص سے طلاق چاہیے ابا۔''

ایک تاریک خاموشی سب کے ہم رکاب ہوگئی۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی کے ایڈمن بلاک میں سیکیورٹی آفس میں بیٹھی تھی۔ وارڈن اسے ڈیپارٹمنٹ کے باہر روک کے بولی۔

''تمہاری شرٹ کا رنگ منفرد ہے۔ بالکل ویسا جیسا ہمیں اپنے یونیفارم کے لیے درکار ہے۔ ذرا زحمت کرلو۔ کرنل کو چل کر رنگ دکھادو...... بس پانچ منٹ۔'' اور وہ چل دی۔

اب سامنے موجود شخص آنکھوں میں روشنی لیے مسکراہٹ سے پر چہرے کے ساتھ اس کا انٹرویو کیے جاتا۔ وہ سیکیورٹی ہیڈ تھا۔ آفس سے ملحقہ کمرے میں چاروں دیواریں۔ اسکرینز سے سجی تھیں۔ اس مہنگی ترین یونیورسٹی کا چپہ چپہ سمٹ کر اس کمرے میں آگیا تھا۔

وہ شخص کالج میں 'ڈاکرنل' پکارا جاتا۔ کرسی گھماتا۔ شیشے کی دیوار کے پار اسکرینز کو دیکھتا۔ وارڈن، سیکیورٹی گارڈ، چپڑاسی، مطلوبہ شخصیت سامنے لادیتے باقی کا کام اپنی خوبرو شخصیت، چوڑے شانوں اور شائستہ گفتار سے کرتا۔

''اگر سوالات مکمل ہوگئے تو میں جاؤں؟''

بمشکل چھوٹے سے بالوں کو عادتاً جھٹکا۔ کھڑی ہوئی۔ کرنل کی مسکراہٹ سمٹی۔

''ابھی میں بات کر رہا ہوں۔'' آواز سرد ہوگئی۔

''میں تھک گئی ہوں۔'' ترکی بہ ترکی کہا۔ کرنل مسکرایا۔

''بس یہی چاہیے تھا۔''

''میں بھی نہیں۔'' انگریزی میں تیورا کے چٹخی۔

''یقیناً میں بھی ابھی اسی کوشش میں ہوں۔'' وہ باہر نکل آئی۔

ڈاکرنل رخ اسکرینز کی جانب موڑ چکا تھا۔ اب وہ باخبر تھا۔ اس کے ہر اٹھتے رکتے قدم سے بھی۔

☆☆☆

دھند میں وہ بھاگے جاتا۔ کھیت کھلیان بھاپ اگلتے اس کے قدموں سے لپٹی خوشی کی خبر سنتے۔ چوڑی محلہ کی آخری گلی اور زنگ رنگا سرکاری اسکول، ٹانگوں سے لپٹتے بچوں سے ہوتا آفس تک پہنچا۔ سانس لی۔ اندر جھانکا۔ مسکرایا۔ لب کھولے۔

دھواں لمحوں کے کنارے چھونے لگا۔ ایک اور لمحہ قید کیا۔

☆☆☆

''نین بس کردو بیٹا۔'' نانی بولے جاتیں۔ روہانسی ہوئی جاتیں۔

''بس کردو لغاری صاحب سے بات کرچکی ہوں میں اور پھر......''

''آپ کی کوئی سفارشی کال میری ذلت کو عزت میں نہیں بدل سکتی نانو...... نہ ہی میرے نصیب کو۔'' آواز بھاری تھی۔

''مگر بیٹا...... معیار تو دور، یہ نوکری تمہارے مزاج سے میل تک نہیں رکھتی۔ کیسے اجازت دوں ایسی غلطی کی میں۔ مجھے لگا دوستوں کے ساتھ مذاقاً ٹیسٹ وغیرہ دیا ہے مگر تم تو......'' سیرت نور کا بس نہ

چلتا کہ وہ زرنین کی یاداشتوں والی سلیٹ سے پولیس کی نوکری والا نقطہ ہی مٹا دیں۔ ان کا خاندان..... اور ایسا کام

سیرت فاطمہ کو ادب کا ہر نسخہ ہر ترکیب ہیچ لگی۔ زندگی میں ایسے موقع کئی بار آتے ہیں جب ادبا شعرہ بھی الفاظ کے قحط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

''میں شاہ دل سے بات کروں؟'' تھک کے بولیں۔

وہ ہلی..... پہلے دھیما پھر اونچا.....

''یہ تو وہی ہوا ناں کہ ہرن شیر سے پناہ مانگنے بھیڑیے کے غار میں چلا جائے۔'' حلق میں کچھ اٹکا۔

''وہ کیا کرے گا یہ آپ بھی جانتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ کے سامنے قہقہہ لگانے سے گریز کرے گا اور بڑے مدبرانہ انداز میں میری یونیورسٹی چھٹ جانے کے فوائد گنوائے گا۔ کرنل کا دماغ ٹھکانے لگانے کی ترکیب بھی بتائے گا۔ ساتھ میں لگے ہاتھوں شادی کی تاریخ بھی پکی کر دے گا۔ آخر کو بے آسرا و بے سہارا لڑکی کو امان بھی تو دینی ہے۔'' باقی الفاظ سیال مادے میں ڈبکیاں کھانے لگتے اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی..... اندھیرا ماپنے لگتی..... تخمینے لگانے لگتی۔

☆☆☆

اندھیرا پانی میں گھلتی سیاہی کی طرح تیزی سے فضا پر قابض ہوا وارث شاہ کے مزار کی بارہ دری کے کھلے برآمدوں میں ستونوں سے ٹیک لگائے مسرور سے وہ تینوں گنگناتے تھے جب شہزادوں سی شکل والا اسجد ضیاء بولتا ہے۔

''لڑکا تھانیدار ہو گیا..... اب تو بس ہیر ہی چاہیے۔''

''تو ڈھونڈتا رہ ہیر..... سردار داؤد چٹھہ تو کسی کا بھی رانجھا بن جائے گا بس ان کاموں سے فارغ ہو کے مقابلے کا امتحان..... یہ اونچا بیورو کریٹ بنوں گا۔'' وہ عادتاً گردن جھٹک کے کہتا۔

''یہ ہیر شیر تو سیاپا ہی ہے بھائی..... ہزار مرحلے جھٹے ہوتے ہیں ان سے..... بس سیدھی سی سادہ سی لڑکی ہو، کافی ہے۔'' مریدوں سی مرعوبیت آنکھوں میں بھرے سر ہلاتا، اسجد سر جھٹکتا برآمدے کے ستون سے لگا بیٹھا۔ فقیر گھٹنوں میں سر نہوڑائے مسکراتا جاتا۔ وارث شاہ کے مار کے دیئے جلتے جاتے..... اندھیرا بڑھتا جاتا۔

☆☆☆

بجھے ہوئے دیئے بکھرے رنگ بے ترتیب کرسیاں کھانے کی باقیات..... وسیع و عریض لان عجب ویران دکھتا۔

''شاہ دل غصے میں تھا۔ اور حمزہ بار بار تمہارا پوچھتی تھی۔ کیا کہتی میں..... ہمیشہ کی طرح بس سنتی رہی۔'' سیرت فاطمہ کی آواز نے اسے کھڑکی سے الگ کیا۔

''آپ کہہ دیتیں..... وہ ٹریننگ کے لیے جا رہی ہے۔''

''اتنا آسان ہے کیا؟ ابا کہا کرتے تھے سیرت بانو ایک وقت آئے گا۔ تمہیں تمہارے ہاتھوں کی نرمی بھی خوف زدہ کرے گی۔ آہ..... کیا سچ کہہ گئے ابا..... اپنے ہاتھوں کی نرمی کا خوف کم ہوا تو بیٹی کا چندر سارنگ دہلانے لگا..... وہ مصیبتوں سے جان چھڑا گئی تو..... اب نواسی کی آنکھ کا کانچ ایسی انی سی گڑی ہے کہ کسک جاتی ہی نہیں۔'' وہ چپ چاپ بیٹھی۔ مجسم بے بسی کو دیکھتی رہی۔

''اس خاندان کی ایف اے پاس لڑکیوں کے لیے کمشنروں کے پیام آتے ہیں اور..... تم کیا کرنے جا رہی ہو؟ سب انسپکٹر کی نوکری بس.....''

''نانو میں.....'' الفاظ اندر ہی کہیں تیرتے رہ گئے۔ فضا میں تیرتے پھن پھیلاتے الفاظ اس کے ہر گز نہ تھے۔

''سناں..... نین..... کدھر..... ہو؟ ابھی آؤ..... ادھر میرے پاس۔''

''شاہ دل.....'' نانو نے منہ پر ہاتھ رکھ کے

بھیجو کو جیسے اندر کو دھکیلا۔

''نیاں۔۔۔ تمہاری اتنی جرأت، گھنیا تم آئیں۔۔۔ کیوں۔۔۔ نہیں پارٹی میں؟''

''تم اندر ہی رہنا۔ باہر مت آنا میں دیکھتی ہوں۔'' سیرت فاطمہ دروازہ بند کر کے گئیں۔ نیچے ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ لڑکھڑاتا شاہ دل کھڑا تھا۔ ملازم چہروں پر اکتاہٹ و تھکاوٹ سجائے بیٹھے تھے۔

''پھپھو۔۔۔ کدھر ہے نین، کیوں اتنی۔۔۔ ضد کرتی ہے۔''

''شاہ دل بیٹا گھر جاؤ۔ آرام کرو۔ میں صبح اسے لاؤں گی ابھی جاؤ۔'' سیرت فاطمہ اسے بازو سے تھام کے گھسیا ئیں۔

''دور رہیں آپ۔۔۔ دور رہیں۔۔۔ مجھ سے اس۔۔۔ معاملے سے بھی۔۔۔ ابھی بلائیں۔۔۔ اسے ہمیں۔۔۔ میاؤں کرنے لگی۔۔۔ وہ دو ٹکے کی اور آپ۔۔۔''

''شاہ دل تماشا مت کرو۔۔۔ عزت داریوں نہیں کیا کرتے۔''

''ہاں بھئی۔۔۔ ایک تم عزت دار، ایک تمہاری نواسی۔'' گرم شال لپیٹی بھابھی صادقہ حزنہ کے ہمراہ اندر آئیں۔

''بھابھی۔۔۔ خدارا اسے سمجھائیں۔ ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ مناسب نہیں۔۔۔ یہ کہے کہ آدھی رات کو زرنین کو پیش کردوں۔ تو میں ایسا نہیں کرسکتی۔''

''کیسے نہیں کرسکتیں۔ یعنی کہ حد ہے۔ وہ تمہاری نواسی۔۔۔ اور یہ تمہارا بھتیجا۔ کب سے کہہ رہا ہے کہ زرنین کا رشتہ دے دو مگر نہیں۔۔۔ تمہیں بھی تماشے تو دیکھنے ہیں اور دنیا کو دکھانا ہے کہ ہم کیسے بے غیرت لوگ ہیں۔''

صادقہ ہاتھ نچا نچا کر نیچا دکھا رہی تھیں۔ ملازم دم بخود۔۔۔

''چاہے جو بھی کہہ لیں بھابھی۔۔۔ لیکن میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ میرے نام سے جڑی ہے وہ اور میں۔۔۔ اسے کسی بے رحم بھیڑیے کے آگے نہیں کروں گی۔''

''آپ بھاڑ میں۔۔۔ جائیں۔'' دھاڑ نے سیرت فاطمہ کو گنگ کیا۔

''میں ابھی۔۔۔ ابھی اسے یہاں سے۔۔۔ لے جا کر۔۔۔ دکھاؤں گا۔'' سیڑھیوں کو بڑھتے اس کے قدموں نے سیرت فاطمہ کو ہلا دیا۔ سرد سا بولیں۔

''بھابھی۔۔۔ روکیں اسے۔ اس رات کو تاریکی نہ بنائیں۔ نہ زرنین کے لیے نہ شاہ دل کے لیے ورنہ آپ جانتی ہیں۔ میں کچہریوں سے کبھی نہیں ڈری۔''

صادقہ بیگم کے اشارے نے ملازموں کو متحرک کیا۔ بکتا جھکتا شاہ دل سارا شور سمیٹ کے لے گیا۔ سیرت بانو تھک کے صوفے پر گریں۔

''ابا۔۔۔ کاش'' بے بسی آنکھوں سے بہنے لگی۔

''نانو۔۔۔'' الفاظ گم ہوئے۔

''تم بیٹھی کیوں ہو۔۔۔ تیاری کرو۔ صبح تمہیں ہاسٹل کے لیے نکلنا ہے۔''

وہ سنگ مرمر سے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ رات چلتی رہی۔۔۔ آگے بڑھتی رہی۔

☆☆☆

''لو جی بھئی جوانو۔۔۔ ہوگئی نئی زندگی شروع۔۔۔''

جنڈیالہ سے لاہور ملتان روڈ اور چونگ ٹریننگ سینٹر کا سفر ہاسٹل کے دھکے رجسٹریشن سینٹر کی قطار کے سیاپے کے بعد وہ اڑی صورتیں لیے پریڈ گراؤنڈ میں لگی پینتالیس کرسیوں میں سب سے پچھلی والی پر جا گئے۔

''لو جی بھائی کی بخ خاصی نامعقول لگی مگر۔۔۔ خیر

''سویرے ہوا کرے گی ڈرل (پریڈ کے بنیادی اصول وضوابط) کالج ٹائم میں پڑھایا جائے گا لاء (قانون) اسلامیات اور مطالعہ پاکستان شام کو ہوگی پی ٹی (فزیکل ٹریننگ) سمجھے۔۔۔؟''

''یس سر۔'' اجتماعی جواب کا جوش متاثر کن تھا۔

''ہوں...... سی آر کون بنے گا شیرو؟'' اگلی قطار میں بیٹھی گیارہ لڑکیوں کو چھوڑ کے پیچھے بیٹھے لڑکوں سے کہا گیا۔ بجی آنکھوں والی لڑکی نوٹ بک پر پنجرے بنانے لگی۔ ساتھ والی دبنگ سی مردانہ آواز اس تک پہنچنے لگی۔

''ابھی دیکھنا...... سارے مرجانے ٹوٹ پڑیں گے۔ شوخ......''

یہ منیبہ بٹ تھی۔ کانسٹیبل سے پروموشن ٹیسٹ دے کر پہنچی تھی۔ اس ادارے کے ایکسرے ہاتھ میں لیے گھومتی...... ''میں نہ کہتی تھی'' والی نگاہوں سے ہر طرف دیکھتی۔

چار لڑکے اپنی صفات پر چار صفحوں والا مضمون لکھ بیٹھے تو آخری قطار میں بیٹھے سب سے اونچا ہاتھ کے لڑکے کو موقع دیا گیا۔ پیچھے مڑ کے ساری کارروائی دیکھتی منیبہ نے گھٹنے پر ہاتھ مارا۔

''یہ اٹھاماں کا شیر...... باقی تو یہاں سے نظر بھی مشکل سے آتے تھے۔'' اس کے جوش نے زرنین کے گال اندر کو دھنسائے۔

''سرداؤد عباس چٹھہ سر، ایم ایس سی سوشیالوجی پنجاب یونیورسٹی سے دیسی کبڈر (کبڈی کھیلنے والا...... مترجم منیبہ بٹ) ہوں سروارث شاہ صاحب کے دیس کا ہوں اور شاہ صاحب کہتے تھے۔ یہ نہ دیکھو میں کون ہوں۔ یہ دیکھو میرا سنگ (دوست) کون ہے۔ مطلب اس تقریر کا...... کہ سی آر میں نہیں میرا سنگ بنے گا جناب اسجد ضیاء...... اس کی صرف شکل ہی تحفہ نہیں بلکہ......''

زرنین نے مڑ کے اس ''اکبر اعظم'' کو دیکھا سورج جس کی پشت پر تھا۔ آنکھیں چندھیائیں...... مرکوز کیں اور اسے پایا۔ گندمی رنگ مناسب نقوش بے حد گھنے سیدھے سیاہ بال۔ کچھ بھی ایسا نہ تھا جو خوب صورت کے نقطے تک پہنچ پاتا۔ بس قد کاٹھ اچھا تھا اور بے حد گھنی پلکیں اور بھنویں۔

''خرابی نہ ہووے تے...... نہ ہیر دلہن...... ناں بندہ کچھ قد کا ہی خیال کرلے ایویں......'' منیبہ کے بیانات جاری رہے اور اسجد ضیاء اپنے لیے بجنے والی تالیوں پر شکریہ ادا کرتا رہا۔

خدا جانتا ہے...... کرسی چھوڑنے تک وہ اس عام سے لڑکے کو یکسر فراموش کر چکی تھی...... خدا جانتا ہے۔

☆☆☆

لاء کی پہلی کلاس تھی۔ وہ نوٹ بک پر تیزی سے قلم چلاتا تھا۔ دفعہ ایک کے متعدد کلیوز لکھتا تھا۔ جب گیت کی کہنی بار بار اس کے بائیں بازو کو چھلاتی۔

''کیا مصیبت پڑی ہے تجھے؟ سکون کرے۔'' وہ چٹخا۔

''تو سامنے دیکھ......'' گیت کی کپکپاتی سی آواز پر

اس نے آنکھیں سکوڑیں...... مرکوز کیں اور سامنے کے منظر کو پالیا۔

وہ لڑکی اسجد ضیاء سے کچھ پوچھتی تھی ساری کلاس فقط اسے دیکھتی تھی۔ شیشے سی سبز آنکھوں اور چندر سے رنگ والی میں کچھ بھی خوب صورت ترین کے نقطے سے کم نہ تھا۔

''شرط لگالے...... اسجد اس دا (کا) ایک بھی لفظ نہیں سن رہا۔ کمینہ بس دیکھ رہا ہے۔'' گیت کی بات پر شک نہ کیا جاسکتا تھا۔

اسجد کی ہیر۔ سردار داؤد کے ذہن میں زرنین نایاب کے لیے پہلی بات یہی آئی۔ خدا جانتا ہے۔ یہی آئی۔

☆☆☆

وقت جیسے آفت بن کے ان پینتالیس لوگوں پر ٹوٹ پڑا۔ صبح ہوتی وشام ہوتی...... بس مشقت میں تمام ہوتی۔ صبح ایک گھنٹا سا بجتا اور ہر کوئی گرتا پڑتا ڈرل کے لیے پہنچتا۔ قانون نے بڑے بڑوں کے کس بل نکال دیئے۔

دفعہ نمبر 302 تو سب کو معلوم 304 پر سب گڑبڑا جاتے۔ زندگی سلطان راہی کا ''گنڈاسا'' تھامے...... بریکیں لگاتی اور انہیں دوڑائے جاتی۔

ہوتے ہوتے سب ختم، ایک دوسرے
سے کٹتے گئے۔ وہ بچے تو دادی کے لیے بچھ
لوگوں کو گھر کا سہارا بنا مقصد ... نایاب ان
میں سے ایک تھی۔

☆☆☆

اس رات سورج کی آنکھ لگ ... بادلوں کی چہل
قدمی جاری تھی۔ بادلوں کے پار سے وہ دلال ... ان کا
بیلوں سے آ جاتا نظر آتا۔ گھر میں چہل پہل اور
رونق معلوم ہوتی ... کہانیاں سنانے فرمائشیں
کرنے کا شور شور۔

پھر سورج کی آنکھ کھلی ... آنکھ شور سے کھل گئی۔
بیلوں والے گھر میں جیسے فرعون کے سپاہی گھس
آئے۔ ایک مجمع ہے مرد ... شکار دو عورتیں سورج کی
آنکھ پر سست ہوئی۔ غبار کم ہوا تو خون نظر آتا ہے۔
بوڑھی عورت کا خون، مرد کے سفید کف (وہ پاس کی
آستین پر) دھبہ ہے۔ بوڑھی عورت ناک پر ہاتھ رکھے
خون روک رہی ہے اور ڈانٹ کے کھڑی ہے مرد کے
سامنے ... لڑکی کے بال کھڑے ہیں۔ گال پر تل
... گردن پر خراشیں۔ اس کی چیخیں دیواریں خود میں
قید کرتی ہیں۔

سورج کا سر اٹھتا ہے ... منظر اندھیر ہوتا
ہے۔

سر اٹھتا ہے ... مرد کی آواز گونج پیدا کرتی
ہے۔ سورج سنتا ہے۔ عرش نے بھی سنا ہوگا ...
چیخ۔

"اس کی چال گھر بسا کی نہ ماں ... نہ بہن۔
اس کا کیسے بسے گا؟ پھر بھی اس کا ہاتھ مانگتا ہوں
حالانکہ چار دن ... چار دن (چھٹی بھائی کی) گئیں
کے اس کو فارغ کرنے میں ... پھر جا ہے جس کے
بھی سر تھوپ دینا مگر ... پہلا نمبر میرا ہوگا ... حق ہے
یہ ہمارا۔"

بوڑھی عورت زمین پر گرتی ہے اور سورج خود کو
بادلوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

☆☆☆

تجھ ہوتی بارش میں سردی سے اکڑے اعضاء
سے بے پروا سیرت فاطمہ شیشے کی دیوار کو دیکھے
جا رہی تھیں۔ زرمین نایاب مرہم لگاتی اور روئے جاتی۔

"میں نے کیا تھا صبیح تم تو جانتے ہو ... میری بچی
اور اس کی بچی کس غلطی کی موت مریں ... اور دیکھو،
دیکھو یہ شاہ دل آج کیا کیا کہہ گیا ہے۔"

وہ دورے شروع ہو گئیں۔ صبیح ... اپنے بھانجے
سے ہوئی کچھ دیر پہلے والی ملاقات کے بارے میں
بتانے لگیں۔ سیرت فاطمہ نے گھبرا کے اس کے ہاتھ
تھامے۔ آنکھوں میں وحشت ناچتی۔

"کیا ہے زرمین؟ صبیح نے کیا کہا؟ تمہاری ماں
سے سوا سال بڑے صبیح نے کیا ہے کیا کہا؟ زرمین
مجھے دے دیں خالہ۔ میں شاہ دل کو چپ کروانے کی
کوشش کرتا ہوں۔" آنسوؤں کی کال تک آ گیا۔ آواز
اندر کو دھنسی۔

"سارے خاندان کو چپ کروا دوں گا ...
زرمین کو خاندان کی ملکہ بنا دوں گا۔ میں حقیقت میں
مر گئی زرمین ... وہیں مر گئی۔" سیرت فاطمہ بلک
بلک کر رونے لگیں۔ سنبھلنے میں وقت لگا۔ بولیں تو
آواز بھاری تھی۔

"مردار ... گدھ، بے غیرت۔ سارے کے
سارے بے غیرت۔ اب میں انہیں بتاؤں گی کہ
میرے اندر کون سا خون ہے۔ تمہاری ہوا تک ان کی
پہنچ سے دور کر دوں گی ... اب میں تمہاری شادی کسی
بھی زیدے سے کروں گی اور اسے بٹھا کر دکھاؤں گی۔"

وہ روئے جا رہی تھیں۔ زرمین انہیں بس دیکھے جاتی۔

☆☆☆

کمرہ نمبر سات بتا تین ... ہاسٹل کے سارے
جوان جیسے اڈے پڑے تھے۔ خاکی وردی پہنے چھوٹی
جھاڑو سے چھپاک چھپاک فرش دھوتا صفائی کا عملہ
اور وائپر لگاتے ... ہاسٹل کے تھانیدار۔

کچھ دیر پہلے یونی ... میں پورا چند منٹ پارہ
کچے انڈوں کے کھانے کا مقابلہ ہوا۔ یوں تو گیت سنگھ
جیتنا چاہتا تھا مگر آخری کچے انڈے پر ... آخ۔

پورے ہاسٹل میں منادی ہوگئی...... جوش بڑھتا گیا۔ محفل، مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔

"لوجی پولیس سروس کی آن بان شان...... اب دے گی امتحان۔" پورے ہاسٹل کی ثریا آپا، عرف فواد چوہان نے مخصوص انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر اعلان کیا۔

"جی حاضر ہے میری جان...... کر دیجیے یہ اعلان۔" داؤد کی جوابی للکار نے سامعین کو اور مست کر دیا۔ سب سوچ میں پڑے...... کچھ مشکل ترین۔

"ہاں تو پھلانگ کے جاؤ گے مکان...... کرو گے منی (منیبہ) کا سامان...... پھر دکھاؤ گے اس پری سے جان پہچان۔"

"واہ......واہ۔" سب کے سر کورس میں ملے۔

"مطلب...... میں ہاسٹل پھلانگ کے گرلز ہاسٹل جاؤں...... منیبہ سے بچ کے، زرنین نایاب کا کیا کروں؟"

"کچھ نہیں...... تیرے بس کا کچھ نہیں تو بس نمبر لے آ۔" امجد ضیاء مغرور انداز میں گردن اٹھائے بولا۔

"کبھی نہیں...... اپنا اعلان واپس لیتا ہوں۔" وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔

"کوئی نہیں...... سب سے ایک ایک پچ کھالے بس۔"

"منظور ہے۔" فیصلہ فوری تھا۔ دوسری طرف سے ثریا آپا، کا نیا وار ہوا۔

"پچ چھوڑ پہلوان بچہ ہے...... کھاتا رہتا ہے۔ آج سب کی یاری کھالے۔"

"جاتا ہوں کمینو...... خبردار جو آج کے بعد یہ گھٹیا کھیل میرے کمرے میں کھیلا گیا۔"

"دھیان سے میرے بھائی...... ہمارے بھی کچھ جاننے والے ہیں ادھر ذرا ایمان داری کا مظاہرہ کرنا۔" پیر پٹخنے کی آواز واضح تھی۔

باہر آیا...... منیبہ کا نمبر ملایا۔ کوئی آدھا گھنٹہ اس کی منتوں میں لگایا۔ واپس کمرے میں آیا۔ سوہن حلوے والی ٹرے اٹھائی۔

"منیبہ بٹ کا سامان ہے...... دانت یوں نکال رہے ہو جیسے شگن ڈالنے جا رہا ہوں۔" مشترکہ قہقہہ کچھ زیادہ ہی بلند ہوا۔

گیارہ بج کے انیس منٹ پہ وہ گرلز ہاسٹل کے گیسٹ روم کی کھڑکی کودا۔ منیبہ بٹ نے ٹرے جھپٹی۔ منہ بھرا۔ پھر پھولے منہ سے بولی۔

"آنٹی...... یہ ہمارے بیچ کا آئن اسٹائن پلس جون سینا ہے۔" وہ مڑی تو اس نے دیکھا سپاٹ چہرے والی زرنین کے ساتھ ایک باوقار سی خاتون بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔

"داؤد...... یہ زرنین کی نانی ہیں ملنے آئی ہیں۔ وقت تو ختم ہو گیا تھا مگر...... بڑے لوگ، بڑی سفارشیں۔ میں ذرا یہ حلوہ سنبھال لوں...... تمہاری ہونق ہوئی نیت پہ مجھے خاصا شک ہے۔"

آنٹی کی پلیٹ بھرتے ہی وہ غائب ہوگئی۔ سردار صاحب ٹھس کھڑے رہے۔

"آؤ بیٹا بیٹھو...... اندر کوئی نہیں آئے گا۔ منیبہ بتا رہی تھی کوئی شرط لگی ہے۔" پانی پانی ہوگیا۔

"نہیں...... وہ دراصل۔" الفاظ گم۔

"کوئی نہیں...... ہو جاتا ہے۔ زرنین نمبر دو اپنا...... سردار صاحب آپ بھی دیں۔ مگر مجھے...... ہو سکتا ہے ہم نے بھی کوئی شرط لگا رکھی ہو۔"

اگلے دو منٹ میں اعصاب شکن خاموشی کے دوران دو چٹ تبدیل کیے گئے۔

"سوہن حلوہ لذیذ ہے" منیبہ نے بتایا "تمہاری امی......"

"معذرت چاہتا ہوں آنٹی...... چلتا ہوں۔" تیزی سے مڑا۔

"یاد رکھنا سردار داؤد...... ناک سنوار دی ہم نے۔ ہمیں ضرورت پڑی تو گرہ لگانی ہی ہوگی ورنہ میرے ابا کہا کرتے تھے کہ کم نسل سے وفا نہیں اور اصل سے خطا نہیں۔" وہ کھڑکی سے کود گیا۔

بوائز ہاسٹل میں واہ واہ ہوتی رہی اور گرلز ہاسٹل

کی کھڑکی سے ایک بار پھر ... کی عمر ایسی ہی لڑکی
اندھیرے میں پیچھے ... کر رکھ دی۔

☆☆☆

اگلے ہفتے شام ساڑھے چھ بجے اسے ایک کال آئی۔ یوں کہ وہ جیسے کچھ کا ہو گیا۔ سوچا اس کی ہوئی کہ وہ یونہی ہوٹل آیا۔ بی بی کے بعد ہی جنگل قدرتی میں وہ کسی نیچ پہ بیٹھا پیالہ پہ اٹکھیلیاں کرتے پرندوں کو دیکھتا رہا۔ پھر تحمد سے بولا۔

”ساری ، اگر تجھے کوئی کہے کہ لڑکی سے نکاح کر لے ۔۔۔ فقط نکاح ، کچھ کانٹریکٹ ، ساری زندگی کوئی تعلق نہیں کوئی رابطہ بھی نہیں تو تو کیا کرے گا؟ (تمہیں کبھی تنگ نہیں کیا جائے گا ۔۔۔ تم آزاد ہو گے ہر معاملے میں ۔۔۔ صرف ایک کاغذ پر تین دستخط چاہئیں ۔۔۔۔ جیسے تمہیں ایک کاغذ پہ چند عدد سے چاہیے تھے)

”لڑکی کیسی ہو گی؟“ اجد نے آنکھ دبائی۔

” شاید ردل نمبر سات (زرمین) جیسی۔“ گردن میں ابھر آگئی۔

”ہاں تو ۔۔۔ کر لوں گا۔“ وہ ڈھیلا پڑا۔

”مگر یہ جو صرف نکاح والی بات ہے ناں ۔۔۔ کبھی ناں مانوں، پاگل ہوں کیا ۔۔۔؟“ گیت فوراً بولا۔

”یار وہ نازیہ رزاق کہتی ہے ناں ۔۔۔ خوب صورت شے کو کالے ناگ کے بل پہ بھی رکھ دو تو لوگ اٹھانے سے باز نہ آئیں۔“

”کہنے کو یہ شہر لڑکوں سے بھرا ہے مگر ۔۔۔۔ سب بھول جائیں گے جو طے ہوا ۔۔۔ وہ رشتوں سے ناواقف ہے۔ کبھی نہ چل پائے گی ۔۔۔ مگر کے وہی داغ لگوائے گی جو اس کے لیے طعنہ بن گئے۔ جانے کیوں میرا دل تم پہ اٹک گیا ہے بیٹا ۔۔۔ تمہاری پیشانی ۔۔۔۔ کچھ ہے تم میں جو چمکتا ہے۔ صرف تین الفاظ ۔۔۔ صرف تین الفاظ ۔۔۔“

”اب یہ نازیہ رزاق کون ہے؟“ وہ ان سے دور ہوتا گیا اور فیصلے سے نزدیک ۔۔۔۔ جب کل پندرہ پلٹون کے ستائیس لڑکوں نے آنکھیں نچا نچا کر ”کانٹریکٹ“ کی دھجیاں اڑانے کا عزم ظاہر کیا ۔۔۔ تو سردار داؤد وہ شخص نے ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆☆

ہفتے کی شام تھی۔ زرمین نایاب کی طبیعت بگڑ گئی۔ وارڈن نے ہاسٹل کے ذمہ دار لڑکے کو ایمبولینس کے ساتھ کر دیا۔

ذمہ دار لڑکے نے ایمبولینس میں بیٹھے بیٹھے تین الفاظ لکھے اور سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ سرکاری ہسپتال کے ٹھنڈے برآمدے میں وہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ اندر زرمین نے سر سے کھینچ کے سرخ دوپٹہ اتارا۔

”آپ جانتی ہیں نانو، اس فیصلے کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟“

”کیا مجھے کوئی لڑکا نہیں مل رہا تھا جو آپ نے یہ سب کیا۔ میرے خدایا۔ میں کیسے سامنا کر پاؤں گی اس کا۔ شاہ دل ۔۔۔ شاہ دل نہیں چھوڑے گا اسے۔ یہ سب کیا ہو گیا ہے؟“

”بس چپ رہو زمین ...... میں نے یونہی اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر لیا۔ میں نے اس لڑکے کی آنکھ میں تمہارے لیے جھجک دیکھی ہے بے باکی نہیں۔ فی الحال تمہیں ایک ڈھال کی ضرورت تھی میں نے بس اسی کا بندوبست کیا ہے۔ ابھی تم خود کو سنبھالو...... اس سارے مرحلے کو یاد کرو۔ پھر اگر تم کچھ اور فیصلہ کرو گی تو میں یقیناً اس کا احترام کروں گی۔“

”بہت خوب نانو ۔۔۔ تو وہی طلاق کا دھبہ ہی لگے گا ناں میرے دامن پہ ۔۔۔۔“ وہ باہر کو بڑھی۔

”یہ ضروری نہیں ۔۔۔۔“ سیرت فاطمہ کے یقین نے اسے تنگ کیا۔

”بس کر دیں نانو ۔۔۔۔ آپ یہ سب صرف شاہ دل کو ہرانے کے لیے کر رہی ہیں حالانکہ آپ بھی جانتی ہیں یہ پینڈو پہلوان میرا انتخاب کبھی بھی نہیں ہو گا۔“ دروازے کی دھمک دیر تک سیرت فاطمہ کا دل دہلاتی رہی۔

☆☆☆

شوٹنگ پریکٹس میں وہ بار بار چوکتا، سر غفار کو تاؤ دلاتا، مسکراتا۔ لیکن آج وہ خاموش تھا۔ ساری پلٹون

خاموشی سے پستولیں بھرتی اور خالی کرتی۔ دو دن سے یہی مشق جاری تھی۔ لڑکیوں کو کسی ماہر کی طرح ہوا میں اچھال کے، کبھی گھٹنوں کے بل جھک کے، دھو کے جھٹکریاں لگاتا۔ کھایا جا رہا تھا۔ ڈرل کی کلاس کی گھنٹی بجتے ہی سب حسب روایت بھاگتے ہوئے مغربی گراؤنڈ کو جانے لگے۔ وہ رکا۔ قریب سے گزرتی زرمین کو دیکھ کے کھنکارا۔ وہ غرائی۔ فوراً کاغذ قلم سامنے کیا۔

''اس پہ لکھ دو کہ میں کبھی بھی دوسری شادی کر سکتا ہوں۔''

''جانے تمہیں یہ شک کیونکر ہوا کہ میں ایسا نہیں چاہوں گی۔'' اب کے نظریں اس پہ جما کے کہا۔

''اور جانے مجھے کیوں لگا کہ مجھے زبانی دعوؤں پہ نہیں رہنا چاہیے۔'' کندھے جھٹک کے ادا سے کہا گیا۔ وہ دیکھے گئی۔

''کبھی شکل دیکھی ہے اپنی؟''

''اتفاقاً کل ہی دیکھی اور بڑے غور سے...... تبھی تو یہ شک لاحق ہوا کہ تم بے ایمان بھی ہو سکتی ہو۔''

''اوہ......'' زرمین نے گہری سانس بھری۔ قریب سے گزری۔ کندھے سے ٹکرائی اور دوسری طرف سے گھوم کے جھٹکریاں یوں لگائیں کہ قریبی سفیدے کا درخت اسے باندھے کھڑا تھا۔ پہلے وہ حیران ہوا...... پھر متاثر۔

''یہ انعام ہے...... تمہاری خوش فہمی کا۔'' وہ زہریلے انداز میں مسکرائی۔

''سر فضل مجھے اسی لیے تو پسند ہیں...... ڈرل بڑی اچھی کرواتے ہیں۔ کلاس کے بعد آتی ہوں۔ تب تک یہ کاغذ تھامے یونہی کھڑے رہو سردار جی۔'' وہ مڑی۔ وہ بولا تب ہی اس کی آواز پر رکی۔

''جانتا ہوں...... یہ نکاح کیوں کیا تم نے۔ تمہیں نکاح کی صورت ایک جن چاہیے تھا تاکہ لوگوں کو ڈرا سکو...... دیکھو میرے قریب نہ آنا میرے پاس جن ہے۔ لیکن سنو...... میں یہ نہیں کر سکوں گا۔ میری اپنی زندگی، اپنے خواب ہیں اور میں......''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ میں آخری چند منٹوں سے پہلے تک مکمل بے خبر تھی اور لاتعلق بھی...... دوسری بات یہ کہ تم اطمینان رکھو اس بات سے کہ میرے پاس ایک بہت بڑا جن پہلے سے ہی موجود ہے۔ اور آخری بات اس کاغذ کے ٹکڑے کو طوفان میں اڑا دو، یہی ہم دونوں کے لیے بہتر ہوگا۔''

''خیر کہنا تو میں بھی یہی چاہ رہا تھا کہ مجھے ہیری لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں۔ ہاں میں کچھ......'' وہ جا چکی تھی۔ جھنجھلا کے خاموش ہو گیا۔ مگر بوجھ سی اورا مل کی تلاش میں نکل پڑا۔

☆☆☆

جنڈیالہ کی سبز گھاس پر سفید کہر کی تہہ سی اکڑی پڑی تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ تک سکڑی پڑی تھی جب سردار عباس چٹھہ کے سپوت نے ماحول کو منہ سے بھاپ نکال کر بالکل منجمد کر دیا۔ نیلی بلیو شلوار قمیص، کتھئی شال اور سویٹر پہنے وہ رسوئی کے دروازے پہ کھڑا تھا جب اس کے منہ سے نکلے الفاظ نے اس کی ماں کو گنگ کیا۔

''واؤ......'' ڈانٹنے والا بے یقین لہجہ۔ پھر وہ اس کے پہلو سے نکل کر اندر کو بڑھیں۔ وہ رسوئی کے دروازے کے ساتھ لگی بیل کو انگوٹھے سے کھرچ رہا تھا۔

''اوہو...... نالائق کچھ دن صبر ہی کر لیتا۔ یوں بھاگا گیا امی کے پاس جیسے کبڈی میں ساہ (سانس) ڈالا ہو...... ذرا دیر ہوئی تو سانس ٹوٹ جائے گی۔ ہے ہی الو...... گھامڑ۔''

تیمور عباس چٹھہ نے لحاف اتارا، چپل پہنی۔ شال پکڑی، بت بنی بیوی کو گھورا۔

''اب کیا ہے؟'' جھنجھلایا۔

''تیمور...... آپ کو پتا تھا؟ یہ سب کیا مذاق ہے۔'' فاریہ حیرت سے چہرہ تھپک کے بولی۔

''بھائی سے پہلے یار ہے وہ میرا۔ مجھے تو وہ سانسوں کی گنتی بھی بتاتا ہے۔'' سینہ تان کے کہا۔

دو کمرے چھوڑ کے تیسرے کمرے کا ماحول خاصا سوگوار تھا۔ دادی روتی ہوئی امی کو سینہ تھامے

تھی پھر وقفہ پوچھتیں۔۔۔ مگر امی اپنا شغل فرمانے جاتیں۔ وہ آنسوؤں سے متاثر کرنے والی خاتون نہ تھیں بلکہ چہرے پہ مسکان رکھ کے مسائل کو جھیلنے والی خاتون تھیں۔ مگر اب سلسلہ اور تھا۔ مجرم سا داؤد ہولے ہولے دادی کی پائنتی پہ ٹک گیا۔ عمارہ امی کو چپ کراتی، آنسو روکتی سرخ ہوئے جاتی۔

"ہائے داؤد۔۔۔ تو بتا۔ کیوں روتی ہے یہ لمانی۔۔۔ ماں صدقے۔" دادی کا دل بیٹھے جاتا۔

"کچھ نہیں ہوا دادی۔" وہ چٹخا۔ تیمور اور فاریہ اندر آئے۔

"کیوں نہیں ہوا کچھ۔۔۔ کیوں نہیں ہوا داؤد۔ تمہیں شرم نہ آئی۔ خالہ اس نے وہاں نکاح کر لیا ہے کسی سے۔۔۔ پھر بھی اسے کچھ نہیں ہوا۔"

امی کی آواز بھاری تھی۔ وہ تیمور کو دیکھنے لگا جو چپکا کھڑا تھا۔ اسی دیکھا دیکھی میں اس کا کندھا گہری ضرب کا شکار ہوا۔ دادی نے ایک اور کاری وار کیا اپنی چھڑی سے۔

"منحوس۔۔۔ نیستی۔ میرے سفید بالوں میں راکھ اڑا دی۔ کیا کہوں گی لوگوں کو۔۔۔ تیرا دادا دس گاؤں میں پنچایتیں کیا کرتا تھا اور پوتے نے کمیوں کی طرح منہ اندھیرے۔۔۔ منہ کالا کر لیا۔" دادی کا سانس الٹ گیا۔ وہ سرخ ہوا۔

"منہ کالا۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں دادی۔ اس لڑکی کو صرف قانونی سہارا دیا ہے اور۔۔۔"

"چپ ہو جا بے غیرت۔۔۔ ہاجرہ تو کہتی تھی خالہ آپ کو پیا اتنا برا کیوں لگتا ہے۔ مجھے اس کے متھے (ماتھے) سے اندھیرا نکلتا نظر آتا تھا (کیا؟۔۔۔ کسی کو تو بڑی روشنیاں نظر آتی ہیں) اس نے میری مرن مٹی خراب کر دی۔"

دادی کے بین، امی کی سسکیاں، عمارہ کی گلہ کرتی نگاہیں۔۔۔ وہ شدید اعصابی تناؤ کا شکار ہوا۔

"او۔۔۔ بس کرو یار۔ سارے پنڈ کو بتا دو گے رو رو کے۔ میرے دوستوں تک کو پتا نہیں۔۔۔ رحم کریں مجھ پہ۔ تیمور بھائی، اب چپ کیوں کھڑے ہیں۔ آپ نے ہی تو کہا تھا۔۔۔ دلیر عورتیں ہیں، نیت صاف رکھو اور کر دو مدد۔ صرف تین سائن ہی تو کرنے ہیں۔ شادی تو امی کریں گی ناں۔"

امی اور دادی نے نالائق، نابنجار سے نظریں ہٹائیں۔۔۔ ذمہ دار، سرپرست اور اونچے شملے والے پہ جمائیں۔ وہ ہولے ہولے بتانا شروع ہوا۔

آدھے گھنٹے بعد امی اس کی شکل دیکھنے کی روادار ہوئیں۔ دادی ابھی بھی لاٹھی کا مٹھ تھوڑی تلے جمائے، منہ پھلائے خاموش بیٹھی تھیں۔

"فرض کرو۔۔۔ وہ لڑکی اپنے قدم جما لیتی ہے۔ اپنے مسائل حل کر لیتی ہے جیسے کہ کہا گیا۔۔۔ پھر کیا کرو گے تم؟"

"پھر چھوڑ دوں گا۔۔۔ یقین کریں یہی طے ہوا ہے، چاہے تیمور بھائی سے پوچھ لیں۔" وہ اپنی ماں سے ابھی بھی بہت ڈرتا تھا۔

"اور اگر ان کا ارادہ بدل گیا تو؟" معلم ماں کے دلائل جاگ اٹھے۔

"تو کیا ہر دفعہ ترس کھاؤں گا۔" وہ قدرے معصوم دکھتا۔

"چلو یوں کہو۔۔۔ اگر تمہارا ارادہ بدل گیا تو؟" جواب میں دیر ہوئی۔

"تو کر لیں گے۔۔۔ کچھ نہ کچھ۔" اب اور کیا کہتا۔

"یعنی۔۔۔ نکاح پر نکاح کرو گے؟" امی کا لہجہ تلخ ہوا۔

"آں نہیں۔۔۔ نکاح پھر سے کیوں؟"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ لوگوں کو جواب دینا پڑے گا میرے بچے۔۔۔ میری ساری عمر کی ٹیوننگ، کسی کی دو بار کی فون کال نے خراب کر دی۔ آہ۔۔۔ مجھے۔۔۔ اپنے آپ کو، سب گھر والوں کو وقت دو سردار صاحب۔ ہم اتنے بھی اچھے نہیں ہیں۔" وہ اٹھ گئیں۔

اگلی صبح وہ بیدیاں ٹریننگ اسکول کے لیے نکلا۔۔۔ تو اس بار ساتھ دعائیں اور سوہن حلوہ نہیں تھا۔

☆☆☆

"آپا! فصیح درست کہتا ہے۔ زرنین کی ضد ہی سمجھیں۔" سیرت نور حاضرین کو دیکھتی۔ نپے تلے الفاظ ادا کر رہی تھیں۔

"لڑکا کسی گاؤں کا جاٹ ہے۔ عام زمیندار خاندان۔ میں نے بھی ہار مان لی ...... ورنہ آپ تو جانتی ہیں زرنین کس ماں کی بیٹی ہے اور کس کی بہن ...... کیا کرتی میں؟" حاضرین کے حلق چالا زدہ ہوئے۔ مزنہ ہونٹوں پہ انگلیاں جمائے بے وقوفی کی حد تک نڈر، پھوپھی جان کو دیکھتی ہے۔

☆☆☆

"یہ جانتے ہوئے تم نے اس کا ساتھ دیا تیمور ...... کہ اس ہیر کے پیچھے کیسے کھیڑے پڑے ہیں۔ میرا بچہ تو ٹانگ پہ ہاتھ مار کے حملہ صرف کبڈی میں کرتا ہے۔ پشت کو داغ دار کرنا اسے آتا ہی نہیں۔"

"کیا تم نے اسے بتایا نہیں کہ زرنین نایاب اس کے لیے جان لیوا جونک بھی بن سکتی ہے؟" ماں کا ادھورا ناشتہ، کھانا تیمور کو تکلیف دیتا۔ ماں سوچتی رہتی۔

"یہ بتاتا تو وہ اس معاملے کو ناک سے چپکا لیتا کہ جیسے معاملہ اس سے الگ کرنا ...... ناک کاٹنے جیسا ہی ہوتا۔ میں اسے کسی شاہ دل سے ڈراتا تو وہ اس نام کا تعویذ بنا کے ماتھے پہ چپکا لیتا ...... اور ہر کوئی اسے پڑھ لیتا۔"

"تو کیا وہ مرد چپ رہے گا؟"

"چھ ماہ مزید امی ...... وہ چارج سنبھالے گی تو جان سنبھالنے کا کام سرکار کا ہو جائے گا ...... داؤد کا کام ختم ہو جائے گا۔"

"کسی طرح مجھے ان خاتون سے ملواؤ ...... میں پوچھوں ...... پوچھوں ان سے کہ ایسے فعل کو وہ کیا کہیں گی۔ کسی کی بہو کی کمائی کو کسی کے ہاتھ رہن رکھوانے کو وہ کیا کہیں گی ...... تم ملواؤ ان سے مجھے۔"

☆☆☆

"بہت دیکھ لی ہم نے یہ ذلت۔ اب ہم شاہ دل کو کوئی تنبیہ بھی نہیں کرنے والے۔ ہمارے برتنوں کو چاٹ کے ہم پہ ہی تھوکا ہے محترمہ آپ نے اور آپ کی نواسی نے۔ رشتہ نہیں دیا۔ ہم نے قبول کیا۔ خاندان بھر کو ذلیل کیا معمولی نوکری کی ...... چلو کوئی نہیں۔ اب کہہ دیا کہ کسی کسان کے بیٹے سے بیاہ رچا لیا نواسی نے ...... ہم کیا کر سکتے ہیں ...... اب بتائیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

سب کی ملامت ...... طعنے، اندیشے ...... دھمکیاں وہ سپاٹ بیٹھی رہیں۔ شاہ دل اب تمہارا مقابلہ مرد سے ہوگا۔ کم از کم میرا یہ دکھ تو دور ہوا۔

☆☆☆

اندھیرے کمرے میں یادوں کا طوفان سا اٹھا تھا۔ سب کچھ گرد آلود ہوا جا رہا تھا۔ بینائی دھندلی، سانس ناہموار ...... منظر اڑتے پھرتے ...... اک دوجے سے ٹکراتے ...... پھر گھوم جاتے۔ آوازیں بھی سرگوشیاں تھیں، کبھی کڑک ہو جاتیں۔

آوازوں اور تصویروں کا گٹھ جوڑ بننے لگا ...... پھر غبار کے جیسے منظر کڑی سے کڑی ملاتے گئے۔ نئی کہانی بنتی گئی۔ کہانی شروع ہوئی۔

ایک منظر میں نظر آتی ہے اک لڑکی ...... نیلی ہیرے جیسی آنکھیں ...... کندن سا لو دیتا رنگ ...... وہ دوستوں کے درمیان لہک کر، آنکھوں میں فخر بھرے گنگناتی ہے۔

"کچھ اپنے اپنے سے لوگ ہیں اور
ہنستے بستے چہروں والے
جان ہے کیا
اس سے بھی پیارے ......"

یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں واہ واہ کی دھول اڑتی ہے۔ اسی دھول میں کسی کا دل ان آنکھوں کے لیے مٹی ہو گیا۔ کہانی آگے بڑھتی ہے ...... نیا منظر جگہ سنبھالتا ہے۔

"تمہیں معلوم ہے ناں میرا فصیح، مینہ کو کتنا پسند کرتا ہے۔ سلطان بھائی کو منع کر دو ...... مراد کو لاکھوں مل جائیں گی۔"

"آپا، مراد ...... مینہ بہت مشکل میں ہے مجھے جلد فیصلہ کرنا ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے مگر صبیح ابھی کچھ نہیں کرتا اس کے ڈیڈی پہلے اسے سیٹ کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں انتظار نہیں کر سکتی ..... میری بچی بن باپ کی ہے مجھے معلوم ہے لوگوں کے حق میں جلد اٹھنے لگے گی۔"

ہے منظر میں پریوں سی لڑکی ایک بل دار مونچھوں والے مجرو کے پہلو میں زرتار لباس پہنے بیٹھی ہے۔

"کوئی نہیں ..... میری بچی کی معصومیت و خدمت ..... طارق کو بدل دے گی ..... کوئی نہیں۔ اللہ نے اسے عزت سے گھر کا کر دیا۔" ماں دل ہی دل میں خود کو دلاسے دیتی ہے۔

پھر مناظر سے بچوں کی قلقاریاں سنائی دیتی ہیں۔ "امی پھر سے بچی ہو گئی۔" آواز گونگی۔

"پھر کیا ہوا ..... رحمت سے بہرہ ور ہوئی ہو میری جان۔"

"کیا طارق نے کچھ کہا؟"

"نہیں تو ..... آپ سے کس نے کہا۔" بچی کا مسکرانا، بہلانا بھی تریاق نہ ہو سکا۔

فون کی گھنٹی متوجہ کرتی ہے۔

"ہیلو ..... بولو صفیہ کیسی ہو؟"

"نانو ..... آپ ہمارے گھر آ جاؤ۔ می کا خون نکل رہا ہے۔" چار، پانچ سالہ زرمین کی ہچکیاں۔

"امی ..... آپ میرا مطلب یوں ..... خیریت؟"

بچی کے سوجے گال پٹی بندھے ہاتھ نے، ہر سنہرا پردہ آنکھوں سے اتار دیا۔

"امی میں مر جاؤں گی یا شاید مر گئی ہوں۔ کم از کم دفن ہی کر دیں مجھے، میں بری لڑکی نہیں ہوں۔ نہیں ہوں۔ ابو (سسر) اور فرحان (دیور) طارق ..... یہ سب، سب مجھے کباڑے سے ملا قدیم سکہ سمجھتے ہیں۔ جانتے ہیں میں قیمتی ہوں مگر مانتے یہ ہیں کہ سکہ کسی بازار میں نہیں چلنے والا۔

انہیں لگتا ہے کہ نل ٹھیک کرنے کے لیے آنے والا پلمبر، کوڑا اٹھانے والا جمعدار، کپڑوں کی تہہ جمانے والا درزی سب ..... سب میری نیلی آنکھوں کے دیوانے ہیں۔ چار چار دن مجھے میری بچیوں کو دیکھنے تک نہیں دیا جاتا۔ خود کو چھپاتے چھپاتے مجھے اپنا آپ مردے جیسا سرد لگنے لگا ہے ..... مجھے خود سے مردے کی باس آتی ہے۔

کیوں؟ اس لیے کہ مجھے ایک عورت نے پالا؟ میرے سر پر کسی مرد کا ہاتھ نہیں۔"

"چپ ..... چپ بالکل چپ ہو جاؤ بیٹہ ..... کبھی نہ سوچنا ..... علیحدگی کا کبھی نہ سوچنا۔ تمہاری طلاق یافتہ ماں میں اتنی سکت نہیں کہ اپنے بدن میں گڑی برچھیاں اپنے ہاتھوں سے نکال کر تم میں پیوست کر دے۔ زمانہ تمہاری آنکھوں کی نیلاہٹ تمہاری بیٹیوں کے نصیب میں بھر دے گا۔ پھر تمہیں بھی ہول اٹھیں گے۔ اور تم بھی انہیں کسی طارق نجرہ جیسے مرد کے حوالے کر کے سرخرو ہونے کا سوچنے لگو گی ..... طلاق کبھی نہ لینا بیٹی یہ فیصلہ زندگی نہیں بخت بدلتا ہے۔"

خوف کی لپیٹوں نے شازمین کے اگلے الفاظ نگل لیے۔ پھر کہانی کے مناظر میں خون ہی بھرتا گیا۔ آخری منظر دل دہلاتا تھا۔

"ماں کی بیٹہ سفید لباس پہنے، لکڑی کی سب سے غیر آرام دہ چارپائی پہ پڑی ..... پرسکون دکھتی۔ ماتھے پہ سیاہ دھاگے سے بنے جال نے اسے اور ملکوتی کر دیا۔ لوگ سرگوشیاں کرتے۔

"شوہر نے بھائی کے ساتھ مل کر قتل کیا ...... باپ بیٹھا ہدایات دیتا تھا۔"

"سنا ہے وہ اس کے چلن سے ناخوش تھا۔"

"کہاں ..... فارس کے ابو کہتے ہیں کہ سر پہ کسی چیز سے ضربیں لگائی ہیں ظالموں نے ......"

"بیٹہ کی ماں، لکڑی کی چارپائی کے دستے تھامے یک ٹک اس حور کو دیکھے جاتی۔"

"تم اتنا تھک گئی تھیں میری جان ...... اتنی جلدی سونے چلی گئیں۔ بیٹہ تم اتنا تھک گئی تھیں۔"

ماں ہولے ہولے، سوئی پڑی بیٹی کے ہاتھ سہلاتی، کبھی سینہ اور گردن سہلاتی۔ اس کے برعکس وہ

وجود بلک بلک کر مر جانا چاہتے۔ سبز کائی سی آنکھوں والے دو وجود...... زرمین اور زرمین کے وجود......

سیرت فاطمہ کو خسارے گنتے راتیں بیتنے لگیں۔ منظر دھیمے پڑنے لگے...... طوفان کم ہونے لگا...... رات بیتنے لگی۔ یادوں کا طوفان تھمنے لگا۔

☆☆☆

پاس آؤٹ ہونے سے پہلے کی رات تھی۔ پچھلی گرمیاں ختم ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ سرما پھر سے جوانی اوڑھ کے آیا تھا۔

بوائز ہاسٹل میں ہاہا کار مچی تھی۔ لمبی فرصتیں، ملنے کے وعدے، چائے کے بھاپ اڑاتے کپ۔

باہر پچھلے گراؤنڈ میں کوئی سیاہ اوڑھنی میں خود کو لپیٹے ایاف شیرف کی محبت کے چالیس اصول ہاتھ میں دبائے ناخن سے کھرچتا تھا۔ کوئی دھم سے قریب آ بیٹھا اور پھر بولا۔

''اب ڈر جاؤ...... جیسے ہر لڑکی ڈرتی ہے۔'' مقابل نے خوف کو اندر دبایا۔ جواب یوں دیا۔

''میں ڈر کو ڈراتی ہوں...... ایسا نہ ہوتا تو کسی محل میں بجی بیٹھی ہوتی۔''

''میں متاثر ہوا۔''

''یقیناً...... تم اسی لیے بجے ہو۔'' اب کے گردن موڑ کے پینڈو کو دیکھا۔

''یقیناً ویسے کبھی غور کیا تم کس لیے بنی ہو؟ کیا یونہی سب چلانے کا ارادہ ہے۔'' وہ اشارہ کر رہا تھا۔

''نہیں یونہی تو کبھی نہیں۔ کچھ کریں گے۔ ابھی تک تو محفوظ تھی یہاں...... اب دیکھو۔''

''تمہارا میجر کس میں ہے؟''

جینیٹک انجینئرنگ میں بی ایس تھا...... آخری سمسٹر مکمل نہیں ہوا۔''

''کیوں؟ مطلب کیا یونیورسٹی والوں کو تمہارا تھانیدارنی، والا ٹیلنٹ نظر آ گیا تھا۔''

''نہیں...... سیکیورٹی ہیڈ کو میرا حسن نظر آ گیا تھا۔'' تلملا کر بولی۔

''میرے تعاون نہ کرنے پر میری ذات کو اسکینڈلائز کیا اور میں یونیورسٹی سے باہر۔'' پرسکون سی بتاتی۔ وہ کچھ وقت خاموش رہا۔ دیکھتا رہا۔

''اب ایسے بھی نہ دیکھو۔ اتنی بھی بے چاری نہیں ہوں میں سمسٹر فریز ہے میرا...... دوبارہ شروع کر سکتی ہوں۔''

''لیکن تم کرو گی نہیں...... بلکہ تم اسی چودھویں گریڈ کی ملازمت سے چمٹی رہو گی اور کوشش کرو گی کہ تمہاری بیماریوں سے کسی اور کی دوا لڑے۔ سن لو...... اب مدد کو فرشتے نہیں اترتے۔ کاہل اور بے حس پہ بھی عنایت نہیں کی جاتی۔''

''خود کو میری دوا بھنا بند کرو۔ میں اپنی بیماری سے خود لڑ سکتی ہوں۔ میں تمہیں گریڈز کا انبار لگا کے دکھاؤں گی۔''

''پینڈو پہلوان۔'' تحریر کے جواب دیا۔ وہ ہنسا۔

''پہلے ذرا گھر پہنچو ہیر صاحبہ۔ کھیڑے دہلیز سنبھالے بیٹھے ہیں۔'' وہ اٹھی۔ مسکرائی۔ مڑتے ہوئے بولی۔

''سب کی ایسی کی تیسی...... جو ہاتھ چائے کا کپ تھامتے تھکتے تھے...... وہ اب نشانے پہ ایک پوزیشن پہ دس گولیاں داغتے ہیں...... کھیڑوں کو خبر کر دو۔ ہیر کو گردن توڑنی آ گئی ہے...... اور رانجھا کسی آپشن میں نہیں رہا۔'' سردار داؤد عباس کا قہقہہ گھاس کی پتیوں میں جوش لہرا گیا۔

☆☆☆

کائی سے سبز یونیفارم میں سر اسکارف سے ڈھانپے وہ الوہی صبح سے دکھتی۔ چارج سنبھالنے کے دوسرے ہفتے شاہ دل نے اسے گیٹ پہ ہی جالیا۔

کامی کے اطلاع دینے پہ، سیرت فاطمہ نے بے سوچے سمجھے قدم باہر کو بڑھائے۔ زرمین سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ شاہ دل ششدر دیکھتا۔ زرمین انگلی اور نظریں اٹھاتے، جتا کے بات کرتی۔

''کیا کرلو گے تم محترم۔ تیزاب پھنکواؤ گے مجھ پہ؟ تو آؤ میں تیار ہوں، قتل کرواؤ گے؟ اس کے لیے تو ہمیشہ سے تیار ہوں۔ لڑو گے؟ ہاں اس کے لیے اب تیار ہوئی ہوں مگر مرتے دم تک لڑوں گی تم سے۔'' لیکن

کے ہر بنگلے کے چوکیدار نے سر نکال نکال کے شاہ دل کو مٹی کا ڈھیر ہوتے دیکھا۔۔۔ وہ جاتے جاتے مڑی۔

"اب آمنے سامنے مقابلہ ہوگا۔۔۔ اور ہاں میرا راستہ بھی مت روکنا۔ اب میں خرانٹ تھانیدارنی ہوں۔۔۔ عزت دار مردوں کو کچہریوں میں گھسیٹ گھسیٹ کے مارنے کا ہر حربہ آتا ہے اب مجھے۔" شاہ دل کے منہ کھولنے سے پہلے وہ اپنے گھر میں داخل ہوگئی۔

"کیا کہتا ہے وہ؟" سیرت فاطمہ نے سوال کیا۔

"کہتا ہے میں ہیر ہوں۔۔۔ چاہتی ہوں کسی اور کی دوائی میری بیماری سے لڑے۔۔۔ میں نے بھی کہہ دیا، تمہیں لڑ کے دکھاؤں گی۔۔۔ اور میں واقعی لڑی نانو۔۔۔ آپ نے دیکھا۔ مجھے شاہ دل معمولی انسان ہی لگا۔۔۔ پہلی دفعہ کوئی عفریت نہیں لگا۔ میری آواز۔۔۔ اتنی جاندار تو کبھی نہ تھی۔"

"زرمین۔۔۔ میں نے پوچھا تھا، شاہ دل نے کیا کہا؟" وہ تھمی۔ سوچا۔ پھر ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

"مجھے لگا چک جنڈیالہ کے دیسی کبڈر کی بات کر رہی ہیں۔" مسکرائی۔ سیرت فاطمہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ الٹ پلٹ کے دیکھا۔

"تمہارے ہاتھ پہلوانوں سے سخت ہو گئے زرمین۔۔۔ یہ کیسے کھردرے ہوگئے۔"

"میں نے کسی کو منٹو کا مقولہ دہراتے سنا ہے نانو۔۔۔ منٹو نے کہا۔ معاشرہ عورت کو قحبہ خانہ چلانے کی اجازت تو دے دیتا ہے مگر گھوڑا گاڑی چلانے کی نہیں۔۔۔ کیسی خوفناک بات ہے ناں نانو۔ خدا تو عادل ہے۔ ساتھی بنایا ہے تو پھر ایجاد میں بھی بنایا ہی ہوگا۔ مگر ہم عورت کو محکوم دکھاتے ہیں اور عورت۔۔۔ وہ ساری عمر اسی محکومیت کے تاج کو سر پہ سجائے، کریموں کے اشتہار دیکھتی، گھریلو ٹوٹکے کرتی گزار دیتی ہے۔ ہم حقیقت نہیں بدل سکتے۔۔۔ کم از کم خیال تو بدل سکتے ہیں۔ عورت کو حاکم نہیں بنا سکتے، محکوم ہونے کا احساس تو دلا سکتے ہیں۔

اب خوب صورتی اور عورت کے تصور کے بجائے مضبوطی اور عورت کے تصور کو پالنا ہوگا۔ اتنا تو ہو ہی سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہی سہی۔

مجھے میرے سخت اور کھردرے ہاتھ۔۔۔ شاہ دل جیسے مردوں کے ہاتھوں میں دبے، خوب صورت ہاتھوں سے زیادہ عزیز ہیں۔۔۔ اور یہ سب میں نے اب جانا۔ زندگی میں اتنا کچھ گنوا کے۔ اب میں نے جانا کہ خوب صورتی میری کمزوری بن گئی اور محنت، قابلیت نے میری دم توڑتی آواز میں مضبوطی بھر دی۔ یہ سب بہت اچھا ہے۔" سیرت فاطمہ اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لائیں۔

"سب اتنا بھی اچھا نہیں۔۔۔ وہ حیران ہے، مفلوج نہیں۔ کچھ سوچنا ہوگا۔۔۔ ہمیں یہ گھر بیچنا ہوگا۔ کہیں اور جانا ہوگا۔" جانتی تھیں ابا کا آبائی گھر سب کے لیے کیسی کشش رکھتا ہے۔ بیچنا تقریباً ناممکن تھا۔

"بیچ دوں گی نانو۔۔۔ بس دیکھتی جائیں۔ عورت کا وار یہ مرد سہہ نہیں سکیں گے۔" وہ مسکرائے گئی۔ سیرت فاطمہ پرسکون ہوئیں۔

☆☆☆

یونین کونسل، ڈویژنل آفس، مجسٹریٹ آفس۔۔۔ بالآخر اسے نکاح نامہ مل ہی گیا۔ سردار داؤد عباس جھٹہ۔۔۔ اس تک پہنچنے کے لیے ڈیڑھ دن لگا۔۔۔ وہ ملنے پہنچا۔ تھانہ سنسان پڑا تھا۔

"وہ آج کہے۔۔۔ میں ابھی دے دوں طلاق۔۔۔ شرط یہ کہ وہ خود کہے۔" وہ سکون سے کرسی ہلاتا جاتا۔

"اور اگر کوئی اور حق دار کہے تو۔۔۔"

"میری ماں کی تربیت ہے۔۔۔ میں تو کبڈی بھی شطرنج کی طرح دماغ سے کھیلتا ہوں۔۔۔ میں کہانی کا ہیرو بننا تو نہیں چاہتا مگر۔۔۔ پھر کچھ کرنا تو پڑے گا۔"

"ہیرو۔۔۔ اس کو کبھی غور سے دیکھا ہے۔" طنز کمال نہ کر سکا۔ وہ پرسکون ہی رہا۔

"نہیں ضرورت ہی نہیں۔۔۔ کیونکہ میں حق دار نہیں، حق والا ہوں اور مجھے بدنیتوں کی طرح چہرے کھنگالنے کا شوق بھی نہیں۔" شاہ دل اٹھ کھڑا ہوا۔

"گویا تم طلاق نہیں دے رہے؟"

''اب تو ہرگز نہیں...... دھمکی دینے سے پہلے کسی کی ضد کا معیار ضرور جانچ لینا چاہیے۔ مگر یہ تو دماغ کے سوچنے کا کام ہے اور اگر تمہارے پاس کروڑوں کے گھر، لاکھوں کے لباس کے ساتھ چھوٹا سا ہی سہی...... دماغ ہوتا تو اتنی قیمتی لڑکی، معمولی سب انسپکٹر کو، بن، نہ رکھوانی پڑتی تمہاری پھوپھی جان کو......''

''جاہل پینڈو...... چونتیس ایکڑ اتنی سی (انگوٹھے اور انگلی کو بالکل ملا کر کہا) بھی جگہ نہیں دے سکیں گے تمہیں۔ کچھ تو سوچ لیتے...... مگر خیر، اب سب کچھ دیکھ ہی لینا۔'' شاہ دل مڑا۔

''چونتیس ایکڑ...... بہت بڑا رقبہ ہے حضور...... اگر محفوظ ہو تو......! اور اگر نہیں...... تو پھر ڈھائی، ڈھائی ارب کے گھر چھنتے بھی ہوا تک نہیں لگتی۔''

شاہ دل نے آنکھیں سکیڑیں...... ان میں سوچ بھری۔ پھر یکا یک مڑ گیا۔

''یہاں دنیا خلا میں کاشتکاری کرتی پھر رہی ہے اور ان محترم کو سبز آنکھیں ہی پس منظر و پیش منظر لگتی ہیں...... مجھے نہیں کرنا یہ سب۔ ایک لڑکی کے لیے لڑائی...... اف، اسی لیے مجھے ہیر نہیں پسند۔'' وہ بڑبڑاتا رہا۔

☆☆☆

قبطی خاندان کی سب سے بڑی میراث...... خاندانی اثر و رسوخ ہی تھا۔ بڑے بڑے کاروبار چلاتے...... دو جمع دو...... بائیس کرتے یہ لوگ طاقت والے دوستوں کے بنا کچھ نہ تھے اور ان طاقتور دوستوں تک لے جاتے راستے کا نام فصیح خان قبطی تھا۔

''کرنل صاحب کی فیملی ایک مضبوط امیدوار تو تھی...... مگر مجھے پیسہ نہیں یقین چاہیے...... شاہ دل سے چھٹکارے کا یقین۔''

وہ باتوں سے دلیلوں سے...... ڈیڑھ سال کی پروفیشنل زندگی کے دیے گئے اعتماد سے بات کرتی اور جیت جاتی۔

سیرت فاطمہ نے کاغذات فصیح کے حوالے کیے تو اس نے رقم...... یوں اس پچیس سالہ لڑکی نے چھٹکارے کی آڑ میں قبطی خاندان کو دو لخت کیا اور سالوں تک کچہریوں کے چکروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

شاہ دل سے آبائی گھر کے ساتھ قیمتی دوستیاں چھن گئیں۔ فصیح، سیرت فاطمہ کے گھر کا بلاواسطہ مالک بن گیا۔ جسے وہ بلواسطہ (زرنین سے شادی) حاصل کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

نسبتاً چھوٹا گھر خریدا گیا۔ پولیس آئی اور اپنی زیر نگرانی شفٹنگ کروا گئی۔ ماضی کی اذیتیں کہیں پیچھے رہ گئیں۔ باوقار زندگی کی طرف پہلا قدم اٹھا۔ نانو روتیں۔

''کاش میرے بہن بھائیوں کی اولاد، میری اولاد کو بھی اپنے درجے تک لے جاتی تو کم از کم مجھے یوں چوروں کی طرح گھر بیچ کے نہ نکلنا پڑتا۔''

''نانو کسی نے کہا ہے کہ جو ماضی کی طرف منہ کیے چلتے ہیں، راستے انہیں چاٹ جاتے ہیں۔ منزلیں پاؤں گھسانے سے نہیں بلکہ صحیح منزل کا تعین کرنے سے ملتی ہیں۔ ابھی تو ہم نے اپنی منزل کا تعین کیا ہے، ابھی تو سفر کی شروعات ہے۔ آگے نہ جانے کیا کیا ہو۔ ابھی ہمیں حوصلہ جمع رکھنا ہے۔ فیصلہ کیا ہے تو نتائج بھی بھگتنے ہوں گے۔ فصیح اور شاہ دل کی قانونی اور عملی لڑائیاں دیکھنی ہیں۔ پھر سب کو گھر بسا کے بھی دکھانا ہے۔'' وہ مسکرائی۔ سیرت فاطمہ اس کی شاید پہلی شرارتی بات پہ دونوں شادر ہیں۔

☆☆☆

وہ گیٹ کے پاس آٹو سے اتری تو وہاں بائیک کھڑی دیکھی۔ دل سکڑا۔ گیٹ دھکیلا۔ چھوٹا سا باغیچہ بھاگ کے پار کیا اور پورچ میں کسی سے شدت کے ساتھ ٹکرا گئی۔

''تم...... تم کیسے؟ میری نانو۔'' وہ تیزی سے کچھ چبا رہا تھا، کچھ نہ بولا۔ سیرت فاطمہ سامنے آئیں۔

''بائیک دیکھ کے ڈر گئی ہو گی۔'' مخاطب داؤد تھا۔ وہ مشکوک سا اسے دیکھتی، بالآخر۔ بولا۔

''میں نانو کو یہ بتانے آیا تھا کہ ان کی اسی پولیس لائن میں بھیج دی گئی ہے کافی عرصے کے لیے۔ پر مجھے بھوک بھی لگی تھی اور میں یہاں گلبرگ تھانہ میں ہی ہوں

[illegible]
[illegible]
''تو پولیس والی کیوں بنی تھی؟''
''صرف اس کا بچہ ہے ۔۔۔ کی پی او کا بیٹا ہے۔ سارا تو پیار محبت جانتا ہے۔ ان کے داماد کا کیس ٹریک کیا ہے اس نے تب سے''
''تو کیا تم سے کسی مزمہ نے بدتمیزی نہیں کی تھی؟'' وہ شرمندہ سی ہوئی۔
''اس میں بھی اس کی غلطی ہے۔ میرا پہلا تجربہ تھا۔ وہ میری طرف مڑی تو یہ پاگل ہو گیا۔ رکھ رکھ کے لگادیں اسے۔ ہم دونوں کو شوکاز ملا۔ ہم دونوں پولیس لائن چلے گئے ۔۔۔ خود کا تو نہیں بتایا ہو گا وہاں آدھی تنخواہ ملے گی اور صرف حاضری لگانی ہو گی باقی سارا دن بس یونہی مردوں میں پھرتے رہو۔'' یہ تو فکر مند ہو گئیں۔
''میں دیکھ لوں گی نانو۔ اب تو گھاگ ہو گئی ہوں۔ پوری پولیس والی۔'' وہ مسکرائی۔ نانو چپ ہی رہیں۔

☆☆☆

''امی ۔۔۔۔ گیت کی رسم ہے آج۔ مجھے جانا ہے۔ تیاری کروا دیں۔'' ماں سے حالات اب جاکے معمول پہ آئے تھے مگر جھجک پھر بھی تھی۔
امی نے روزنامچے پہ بنے خانوں میں رقم تقسیم کر کے لکھتے ہوئے سر ہلا کے یقین دہانی کروائی۔
''پچھلے ہفتے جنید کا ولیمہ تھا۔ میں جا نہیں سکا سرگودھا۔ ساجی (امجد) گیا تھا۔'' چائے کا کپ لیے ماں کے موڑھے کے پاس آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا۔ بہار کی خوشبو کونے کونے میں چہکتی پھر رہی تھی۔
''ہوں ۔۔۔ اچھا۔ عمارہ تیمور نے پچھلے ہفتے کتنے کی کھاد لی تھی؟'' امی کمرے کی طرف منہ کیے بولیں۔ البتہ دادی مشکوک ہوئیں۔ اٹھ بیٹھیں۔
''اب دیکھنا لگے گا ماں بیٹے میں اکھاڑے والی کھاد لے۔''
''وہ ۔۔۔ چاچا غلام کہہ رہے تھے ۔۔۔ ملک آیا تھا۔'' دادی کی جھریوں میں جوش بھر گیا۔ امی کا حساب کتاب کرتا ہاتھ رکا۔
''ہاں آیا تھا ۔۔۔ عمارہ، گوالے کی رسیدیں بھی لانا۔ وہ دعدہ کی رقم سے کھاد آلی تو پھر بہو کی تنخواہ میں سے پانچ ہزار کم کیسے ہوئے میرے پاس۔'' امی پریشانی میں چشمہ کبھی اتارتیں، کبھی پہنتیں۔
''آہم ۔۔۔ تو پھر کیا کہہ رہے تھے وہ ۔۔۔ مطلب ملک۔''
امی نے روزنامچہ بند کیا۔ ''کہہ رہا تھا ایک رشتہ ہے تھانیدار کے لیے۔ ڈیال گڑھ کی لڑکی ہے۔ پانچ بھائیوں کی بہن۔'' امی بات کرتی اٹھیں۔ کمرے میں گئیں۔ بات جاری رہی۔
''او جی کسی چودھرائن ہے پوری۔ باپ چار ٹرک سامان دے گا۔ پانچ بھینسیں بھی۔ زیور الگ۔ بس لڑکا تھانیدار ہونا چاہیے۔'' امی چپ ہو گئیں۔ وہ بے تاب۔
''میں نے کہا ۔۔۔۔ نہ ملک۔ لڑکا تو شادی کر چکا۔ لڑکی چین کے قدیم بازاروں میں بکتے ریشم سے بھی زیادہ ریشمی ہے۔ زمردی آنکھیں خاندان کا کیا؟ نانی کا ڈھائی ارب کا گھر ہے۔ باپ شاہدرہ کی جھگیوں کا منتظم اور خود ۔۔۔ خود تو تھانیدارنی ہے۔ بس ختم شد۔ تو سنو میرے چاند ۔۔۔ جنڈیالہ شہر کا آخری میٹر بھی بیاہا جائے تو تمہارا سہرا نہیں سجانے والی میں۔ پکڑو یہ کتابیں اور ماپو اپنا راستہ۔ تب تک شادی کا نہ سوچنا جب تک مقابلے کا امتحان پاس نہیں کر لیتے۔ شادی کا چاؤ تو پورا کر لیا تم نے۔ عمارہ کدھر رہ گئیں جلدی رسیدیں لاؤ۔'' چشمہ پھر سے جگہ سنبھال چکا تھا۔ قلم چلنے لگا تھا۔ وہ ٹھنڈی چائے کو دیکھتا رہا۔
''اور اگر پاس کر لوں تو؟''
''تو آجانا۔ دس بھینسوں اور پچاس تولے والی لڑکی ڈھونڈ لوں گی۔'' امی نے پھر سے قلم چلانا شروع کیا۔ وہ صحن میں نکلتا چلا گیا۔
''ائے ہے ۔۔۔ باؤلے کو کتنا شوق چڑھا ہے

شادی کا۔ پورا اپنے دادے پہ گیا ہے۔ اب دیکھنا کہیں ان نالی نواسی کے سر نہ ہو جائے۔''

''نہیں امی...... جانتی ہوں اسے...... وہ لڑکی پٹی نہیں اسے۔'' دادی نے گاؤ تکیہ پھر سے قریب کر لیا۔ خاص مزا نہیں آیا۔

☆☆☆

زرمین بہت خوب صورت تھی۔ جوان ہوئی تو سیرت فاطمہ کے چچازاد نے اپنے پوتے کے لیے ہاتھ مانگا۔ وہ خوش ہو گئیں۔ شازمین کو غیر خاندان میں بیاہ کے جو دکھ مول لیا تھا...... اس کا مداوا کرنے کا سوچا۔ گریجویشن کرتی نواسی کا نام خاندانی لڑکے سے جوڑ کے گردن کچھ اٹھا ہی ڈالی۔ ہر احتیاطی تدبیر کر ڈالی...... ہر اسم پھونک ڈالا۔ مگر ہوا کیا......؟

زرمین خوش تھی۔ کھلی کھلی رہتی۔ نانو نے حارث سے بات چیت کرنے کی حوصلہ افزائی کر دی تو زندگی نے ڈگر ہی بدل لی۔

''شازمین کی مثال سامنے ہے...... طارق میری بچی کو سمجھ ہی نہ سکا۔ اچھا ہے یہ دونوں سمجھ لیں...... ویسے بھی زمانے کا یہی چلن ہے۔'' سیرت فاطمہ خود کو دلاسے دیتیں۔

سال گزرا تو نانو کو ہول اٹھنے لگے۔ لڑکے والے تاخیری حربے تیار رکھتے۔ شادی التوا میں پڑتی گئی۔ نانو نے دو ٹوک بات کرنے کا سوچا۔ چچازاد کا بیٹا بولا۔

''پھوپھو سنا ہے کہ آبائی گھر میں آپ کا کوئی حصہ نہیں...... کبھی بھی آپ سے خالی کروایا جا سکتا ہے۔'' سیرت فاطمہ کو بات سمجھتے لمحہ لگا۔ خاموشی سے اٹھ کر گھر کو چل دیں۔ زرمین کو بھی بتا دیا۔

''انہیں تم نہیں...... گھر میں میرا حصہ چاہیے تھا۔'' وہ گہری خاموشی کے ساتھ اندر چلی گئی۔ ادھر سے منگنی ٹوٹنے کی خبر سارے خاندان کو دی گئی۔ زرمین نے رونا شروع کیا۔ روتے روتے پتھر ہو گئی۔

''نانو اگر پاپا، مما کو قتل نہیں کرتے...... ہم اپنے گھر میں رہتے، پھر تو حارث مل سکتا تھا ناں؟ شاید...... اگر آپ طلاق نہ لیتیں...... مما کو کسی غنڈے سے نہ بیا ہتیں...... میرا رشتہ کرنے تھوڑا سا اور سوچ لیتیں...... پھر تو حارث مل جاتا ناں۔'' نانو کتنے دن اس پتھر سے سر ٹکراتی رہیں۔

''وہ منگنی نہیں گھر تعلق رکھنا چاہتا ہے۔'' زرمین نے بالآخر بتا دیا۔

''رکوا دے۔'' حکم ملا۔

''رکا تو دھمکی دی...... جو نہیں ہوا اس کی بھی کہانی سنا دے گا سارے شہر کو...... کہتا ہے تمہارا کیا؟ نہ باپ نہ بھائی...... تمہیں کس کی ناک کٹتی نظر آ رہی ہے جو تعلق نہیں رکھ سکتیں۔'' نانو کا صبر ختم ہوا۔

''یہ سب تمہاری نواسی کی چاہت پہ کیا میرے بیٹے نے بی بی۔ تم لوگوں کا کیا ہے...... گورے رنگ، نیلی آنکھیں بس کام ختم، ہم عزت والے لوگ ہیں۔ گھر کا مطالبہ بھی سمجھو ایک قسم کی گارنٹی تھی تمہاری نواسی کی۔ اب بات شروع ہو ہی گئی ہے تو حسب منشا اس کو ختم ہم کریں گے۔'' تیکھی زبان والی عورت نے بات لپیٹ دی۔ سیرت فاطمہ کو چھپنے کے واسطے کوئی راستہ نہ ملا۔ گھر کو لوٹ آئیں۔ قیامت پیچھے پیچھے چلی آئی۔

رات ایسی آئی کہ مدتوں تک اندھیرا چھاپ گئی۔ سوشل میڈیا پر چلنے والی ڈھائی منٹ کی ویڈیو نے زرمین کی اکیس سال کی جمع شدہ معصومیت کو غلاظت کا ڈھیر بنا دیا...... کوئی نہ دیکھے پھر بھی نفرت کا حق دار ڈھیر۔

''یہ میں نہیں ہوں۔'' زرمین قابل رحم دکھتی...... مگر صرف دو نفوس کو۔

''اللہ...... آپ تو جانتے ہیں ناں۔'' وہ گواہی مانگتی بھی تو کس سے۔ پھر وہ ٹھہر گئی۔ مگر لوگ نہ ٹھہرے۔ سیرت فاطمہ کے بہن بھائی، ان کے بچے...... روز گھر آتے، مجمع لگاتے۔ سیرت فاطمہ کی تربیت، زرمین کے کردار کو نشانہ بناتے...... چلے جاتے۔ بظاہر مشکل گھڑی کے ساتھی بن کے آتے۔

پھر ایک اور رات آئی۔ عام راتوں سی اندھیری رات۔ زرمین، زرمین کا ہاتھ تھامے سب سے اوپری منزل پہ چلی آئی۔ اسے سامنے بٹھائے وہ زرمین کے

ہاتھ چومتی۔ بال سہلاتی۔ پندرہ سالہ زرمین اپنی بہن کو خود میں چھپانا چاہتی مگر مفلوج سی رہتی۔

"نیناں ...... یاد رکھنا، زرمین تمہاری اچھی بہن تھی۔ تم سے پیار کرتی تھی۔ تم بھی ہمیشہ اس سے پیار کرتی رہنا۔ تمہاری بہن کو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔ روشنی کرنے آتی رہنا۔ نانو سے کہنا زرمین کا پاؤں پھسلا تھا۔ پاؤں پھسلا تھا ...... صرف پاؤں۔" طوفان کی طرح اٹھتے آنسوؤں نے اسے اپنی بہن کا پاؤں پھسلتے دیکھنے ہی نہیں دیا۔ اور وہ بھی چلی گئی۔ وہ ریلنگ تک بھاگتی آئی۔ نیچے دیکھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی تھا۔ فقط اندھیرا۔ اندھیرے میں جلتی وہ موم بتیاں، ٹمٹما کے پھر سے روشن ہو جاتیں۔ آنسوؤں کا طوفان ہر شے مدھم کیے دیتا۔ قبرستان کا اندھیرا ختم ہی نہ ہوتا۔ وہ گھنٹوں موم بتی جلائے ان دو قبروں کے درمیان بیٹھی رہتی۔

☆☆☆

فروری کے آخری دنوں کی ابتدا ہوئی تو سی ایس ایس کے امتحانات اختتام کو پہنچے۔ وہ سردی سے اکڑتے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتی امتحانی مرکز کے گیٹ سے باہر نکلی۔ اسے وہ نظر آیا۔ چار پانچ لڑکوں کے گروہ میں فراٹے سے کچھ بولتا۔ امجد ضیاء وجیہہ چہرے پر بے زاری سجائے اس کے قہقہوں کو برداشت کر رہا تھا۔

"کیا اس نے بھی ......؟" وہ سوچنے لگی۔ امجد کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ ہاتھ ہلاتا آگے بڑھا۔

"کیسا رہا آپ کا تجربہ؟" وہ شگفتگی سے پوچھنے لگا۔

"بہت اچھا ...... میری نانو کے نوٹس بڑے کام آئے۔ آپ لوگ ......؟"

"ہاں میں اور داؤد بھی بس ...... قسمت آزمائی کی تو ہے۔ البتہ گیٹ کو بمشکل گھسیٹ پائے ہیں۔"

"بیسٹ آف لک۔" وہ مسکرا کے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ مڑ کے دیکھا تو وہ ابھی بھی پیپر کھولے کچھ دھواں دھار بول رہا تھا۔ نگاہ اٹھائی۔ اسے دیکھا۔

"چلو دیکھتے ہیں۔" پیغام اک دو بجے کو پہنچایا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

زندگی پاؤں میں مصروفیات کے گھنگھرو باندھے رقص کیے جاتی ہے۔ گھنگھروؤں کی ترغیب دلاتی جھنکار ...... پاؤں میں پڑتے چھالوں کی آہوں کو فقیر کی صدا کی طرح نظر انداز کیے ...... لوگوں کو مجبور کرتی ہے۔

اس مصروفیت بھری زندگی میں وہ، جائیداد کے مسائل دیکھتے، نیلی نوتک دھمکیاں سنتے، گھر کے بلوں، سودا سلف، نوکری کے ہر پل بڑھتے مسائل نمٹاتے ...... وہ خود کے چھالے تو بھول ہی بیٹھی تھی۔

ایک شام اس کا فون بجا۔ جاتی گرما کے دن تھے۔ وہ شام کی چائے پی رہی تھی۔

"تم نے اپنا رزلٹ چیک کیا۔ کوالیفائرز کی لسٹ آ گئی ہے۔" داؤد کا انداز مسرت لیے ہوئے تھا۔ دل زور سے دھڑکا۔

"خیر میں نے دیکھ لیا ہے۔ تم نے کلیئر کر لیا ہے۔ مبارک ہو۔ میری طرف سے نانو کو بھی کہنا۔" فون بند ہو گیا، وہ سکتے میں بیٹھی رہی۔ پھر چیخ کے اٹھی۔ نانو جلدی سے آئیں۔

"نانو میرا سی ایس ایس ...... رٹین (written) کلیئر ہو گیا۔"

"اللہ تیرا شکر ......" نانو وہیں بیٹھ گئیں۔ پھر کچھ یاد آیا۔

"داؤد ......؟"

"وہ فیل ہو گیا۔" یک لخت بولی۔ نانو بے یقین رہیں۔

"پاس ہوتا تو بتا دیتا ...... مبارک دے کے ٹھک سے فون بند۔" وہ بہت وثوق سے بولی تھی مگر آج ...... فیڈرل بورڈ کے پرآسائش کمرے میں اسے مبارک بادیں وصول کرتے دیکھ کر وہ مشکوک ہو رہی تھی۔ سیکنڈ پوزیشن ان پاکستان حیرانی تو ہونی ہی تھی۔ وہ بخار سے تپتے چہرے کے ساتھ اخبار دیکھتا بھی اسے، واپسی میں وہ جج میٹ غفران کی گاڑی میں ساتھ تھے۔

"اتنی بھی کیا خوشی بیٹا کہ تیرا بخار ہی نہیں اتر

رہا؟" منیبہ نے وِہنگ انداز سے پوچھا۔ وہ زرمین کے ساتھ آ گئی تھی۔ داؤد نے تالی کی تان اچھل کی۔ بازو آنکھوں پہ جمایا اور سونے لگا تو زرمین نے کھڑکی سے باہر سفر کرتے اندھیرے پر توجہ مرکوز کر لی۔

"بخار تو اس خوشی کا ہے کہ اس کی اماں نے پچاس تولے زیور اور دس بھینسوں والی چودھرائن ڈھونڈھ لی ہے اس کے لیے۔۔۔ بس ہو گیا لڑکا جذباتی۔" امجد نے سب کو چونکا دیا۔ منیبہ نے پرجوش سی تالی بجائی۔

زرمین نے آنکھیں چند لمحوں کے مزید بند کر لیں اور اندھیرے میں چھپا اسرار دیکھتی رہی۔ راستہ کٹتا رہا۔

☆☆☆

یہ اترتی بہار کا منظر تھا۔ پچھلے منظر اور اس منظر کا فاصلہ ایک سال تھا۔ سیاہ شلوار سوٹ پہنے وہ نکھرا سا لگتا۔ ٹریننگ سے ملی دو چھٹیوں کو وہ خاندان کے نام کرنے آیا تھا۔ ابھی گاجر کا حلوہ اس کے منہ سے بالشت بھر دور تھا کہ امی بولیں۔

"ملک آیا تھا۔"

"امی یہ حلوہ ٹھنڈا ہے یار پھر سے گرم کر کے لا دو۔"

امی رک کے اسے دیکھنے لگیں۔ چپ ہوا تو بولیں۔

"رشتے کا کہہ رہا تھا۔ لڑکی کا باپ سوت کا کاروبار کرتا ہے۔ سات بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔" دادی جوش سے اٹھ بیٹھیں۔

وہ اٹھا، رکا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔۔۔ لڑکا تو شادی کر چکا۔ لڑکی چین کے قدیم بازاروں میں بکتے ریشم سے زیادہ قیمتی ہے۔ زمردی آنکھیں۔ خاندان کا کیا؟ نانی کا ڈھائی ادب کا گھر ہے۔ باپ شاہدرہ کی بھٹیوں کا منتظم اعلیٰ۔ اور خود۔۔۔ خود تو سی ایس پی ہے۔۔۔ بس ختم شد۔ اب آئے تو بتانے میں کسر نہ چھوڑیے گا ورنہ پھر آئے گا۔" امی اس کے ٹھنڈے حلوے کو دیکھتی رہیں۔ البتہ دادی بدمزہ سی ہو گئیں۔

"پاگل ہو گیا کمشنری میں پڑ کے۔ سال پہلے تو لٹھ لیے پھر رہا تھا۔"

"نہیں اماں۔۔۔ جانتی ہوں اسے۔ لڑکی بچ گئی ہے جائے۔"

"ماں پہ گیا ہے اچھا نجار۔" دادی بڑبڑاتی رہیں۔

☆☆☆

اسی سال کے خزاں آلود سرد سے دن تھے۔ بیچ کا پہلا آفیشل ڈنر تھا سری پی سی میں۔ رنگ، خوشبوئیں، ادائیں۔۔۔ کھلکھلاہٹیں۔ آمد کے کچھ دیر بعد، ڈنر کے دوران وہ شاہ رخ سے ملا۔ سیلیکٹڈ ان پاکستان۔ بیوروکریٹ خاندان کی نمائندہ۔ خوب صورت، طرح دار، پراعتماد۔ ہلکی پھلکی گفتگو گھنٹوں چلی۔

ڈنر بھی ساتھ ہی کیا۔ بہت سی رشک بھری نگاہوں کو ایڑیاں اٹھا کے تسلیم کیا۔ رات ہوئی۔ وہ چینج کر کے نکلا۔ کھڑکی کے پردے برابر کیے تو کسی کو دیکھا۔ سیاہ شال لیے کتاب کو سینے سے لگائے۔ وہ رکا۔ پھر باہر نکلا۔

وہ قدرے سنسان راستے پہ تھی۔ دھند کی وجہ سے ہر شے دھندلی تھی۔ رات کے تین بجے، راستہ روکتی شدید دھند۔۔۔ اور وہ تنہا۔ گھبراہٹ عود کر آئی۔ تب قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ بھاگتا ہم قدم ہوا۔ شلوار سوٹ پہ شال اوڑھے۔ وہ سیدھا چلتی رہی۔

"تم بال بڑھا کیوں نہیں لیتیں۔۔۔ کتنے سالوں سے تمہیں ایسے ہی دیکھ دیکھ کے دل اوب گیا ہے۔"

"تم بات شروع کرنے کے لیے موسم پہ بھی تبصرہ کر سکتے تھے کم از کم یہ ہوگی تو نہ بارتے۔۔۔ یہ لڑکیوں کا انتہائی ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ کم از کم اتنے آداب تو سیکھ ہی ڈالو۔ تمہیں اگر فیڈرل بورڈ کا ہیڈ بھی بنا دو ناں تو رہو گے تم وہی جنڈیالہ کے جنگلی شیر۔۔۔"

وہ رکا۔ ایک ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کے روکا اور دوسرے سے چہرہ تھاما۔ زرمین کی سانسیں رک گئیں۔ دل پہلے زور سے دھڑکا پھر بالکل چپ۔ وہ سردی پھر سرد ترین ہو گئی۔ کچھ لمحے وہ اسے دیکھتا رہا پھر پیچھے ہٹا۔ وہ ہل نہ سکی۔

"اب آیا سمجھ میں محترمہ۔ مرد چک جنڈیالہ کا ہو چاہے کسی میٹروپولیٹن شہر کا۔۔۔ کسی جھونپڑی میں رہتا ہو یا بائے فیئر کے کسی فیشن میں، وہ مرد ہی ہوتا ہے، خاص

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

طور پہ اپنی عورت کے لیے۔" وہ آگے چلنے لگا۔

"ویلکسیو زئیل...... اپنی عورت۔" وہ بڑبڑائی۔

"دیکھو میں تمہیں بتاؤں...... میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ مطلب تمہارے لیے کوئی جذبہ نہیں جاگتا دل میں۔"

"میرا بھی یہی ہے۔ سچ کہتا ہوں وہ احساس جو دل کی دھڑکن کو کبھی بڑھا دے کبھی گھٹا دے...... وہ تمہیں دیکھ کے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بالکل ویسا جو شاہ رخ کو دیکھ کے ہوتا ہے...... کچھ کچھ ہوتا ہے والا جذبہ۔"

"اب نکل آؤ کچھ کچھ ہوتا ہے سے۔ اب تم دکھتی پیشانی والے بیورو کریٹ ہو اور کچھ نہیں تو "آ گئی دیا" تک تو سفر کر ہی لو۔" وہ جانے کیوں چڑ رہی تھی۔ وہ پرسکون سا بولتا۔

"وہ جانتا ہوں...... ذیک افرون پسند ہے تمہیں مجھے سخت ناپسند ہے۔ کم از کم بندے کی ناک تو اچھی ہو۔"

"خود کی تو جیسے بہت اچھی ہے۔" وہ دھواں سی ہوتی جاتی، نہ جواب دینا چھوڑتی...... نہ ساتھ چلنا۔

"خدارا رہنے دو میں اپنی تعریف کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اوا سے کہتا۔

"موڈ میں ہوتے بھی تو کیا ملتا تھا کرنے کو۔ اوپر سے گال کا جو نشان ہے واہ......"

"اچھا اس کی بھی سنو۔ میری امی بڑی مشاق نشانہ باز رہی ہیں......" دور مری کی دھند میں اس لڑکے کی باتیں اور لڑکی کی ہنسی شامل ہوتی گئی۔ اور فطرت کا سینہ مزید ٹھنڈا ہوتا گیا۔ وہ واپس مڑے تب صبح کے پانچ بجنا کیس ہو رہے تھے۔

"دل کچھ گھبرا سا رہا تھا، سوچا چہل قدمی کرتا ہوں اور تم مل گئیں۔ بس......" وہ وضاحت کرتا۔

"کیوں کرتے ہو صاحب، جانتی ہوں اندر سے وہی روایتی مرد ہو۔ ذرا اندھیرے میں اپنی عورت کو دیکھا نہیں کہ آ گئے محافظ بن کے۔" پہلی بار...... ہاں شاید پہلی بار اس کے سامنے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تو وہ جی جان سے مسکرایا۔

"تو آج مان ہی لیا صاحبہ کہ تم میری عورت ہو۔"

"ایویں۔" وہ تڑخی اور پلٹ گئی۔

پھر دروازے میں کھڑے دربان نے دیکھا کہ شال اوڑھے، کتاب ہاتھ میں پکڑے حسین مورت سی عورت ساری لابی میں مسکراتی پھر رہی تھی۔

☆☆☆

صبح کے چار چالیس ہوئے تھے وہ گہری نیند میں تھا جب اس کا فون اسے گیت سنانے لگا۔ نیند میں ہی فون اٹھایا۔

"داؤد...... تم سروسز ہاسپٹل آ جاؤ۔ پلیز نانو۔" ذرمین رو نہیں رہی تھی مگر آواز جیسے بین کرتی ہوئی۔

وہ اندھا دھند پہنچا۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز سونے والے لباس میں الجھی ہوئی، سردی بیٹھی تھی۔ سیرت فاطمہ سی سی یو میں تھیں۔ وہ تیمور کو دیکھنے لگا۔ قصور میں تعینات تھا وہ ان دنوں۔

اس کے گھر والے اس سے بھی پہلے پہنچ گئے تھے۔ امی اسے شال اوڑھا رہی تھیں تیمور کچھ دوائیاں لایا تھا۔ امی نے تسبیح شروع کر دی...... ابھی تیسری دفعہ شروع ہی کی تھی کہ ڈاکٹرز نے ہر دعا کے آگے فل اسٹاپ لگا دیا۔ شدید زلزلے کے بعد کی خاموشی چھا گئی۔

"اللہ پلیز نہیں......" ذرمین نے بس اتنا ہی کہا تھا۔ اسے یاد آیا تھا وہ آخری مکالمہ۔

"نانو سب الٹا ہی ہوا...... ماما کی دفعہ، ذرمین آپی اور اب شاید میرا بھی۔ وہ کتابیں پڑھنے والا لڑکا ہے نانو...... شاہ دل جیسے مرد سے کسی لڑکی کے لیے لڑنے والا نہیں وہ۔ کیا واقعی نانو...... مرد عورت کے پاس بچا واحد پتا ہے...... جسے وہ زندگی کی بساط پہ لگائے تو بھی ہار...... سنبھال رکھے تو بھی ہار۔"

اور نانو زندگی سے...... دل سے ہی ہار گئیں۔ دو نسلوں کی محنت کے بعد بھی اگر نواسی نے زمانے جیسی بات کر ڈالی تو زمانے کی "مرد رسیدہ" سوچ سے لڑتی سیرت فاطمہ کو زندگی سے ناتا جوڑے رکھنا بے مقصد لگا۔

اب وہ خالی خالی نظروں سے داؤد کو دیکھ رہی تھی جو ہسپتال کے عملے کو ہدایات دے رہا تھا۔ امی اسے لپٹائے تسلی کے الفاظ بول رہی تھیں۔ سورج نکل رہا

تھا۔ اور نانو جا چکی تھیں۔

☆☆☆

اس دن کی عمر ڈھلی رات ہوئی تو وہ دنیا میں تنہا رہ چکی تھی۔ سارے بج میٹ، ان کے خاندان...... سیرت فاطمہ کا خاندان لوگوں کا ہجوم اس کے گرد اکٹھا تھا۔ سارا دن کیا ہوا...... وہ سرد سی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ پھر لوگوں کا ہجوم چھٹتا گیا۔

وہ لاؤنج کے صوفے پہ، داؤد کی امی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے برائے نام رشتہ دار، رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ جب سارے دوست انتظامات سمیٹ کے خاموشی سے اس کے پاس آن کھڑے ہوئے۔ زرنین نے خاموشی سے داؤد کو دیکھا پھر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا...... وہ بھیڑ میں گم اس بچے جیسی دکھتی تھی جسے کوئی اپنا ملا ہو۔ وہ میکانکی انداز میں آگے بڑھا۔ پھر زرنین نایاب روئی تھی۔ بلک بلک کے بچوں جیسے۔ وہ نہ چپ ہوتی نہ داؤد کے ہاتھ چھوڑتی۔ دوستوں کی آنسوؤں بھری آنکھوں میں کہیں حیرانی اور کچھ استفسار بھی تھا۔ سیرت فاطمہ مرتے مرتے بھی، نواسی کے لیے فیصلہ آسان کر گئی تھیں۔

☆☆☆

بقول جون ایلیا کے ہر کام میں بہترین ہو کے بھی...... ایک نہ ایک دن ہمیں مر ہی جانا ہے۔ تو ایک ایک کر کے سب مر گئے۔ اور وہ جیتی رہی۔ افسری کرتی رہی۔ رشتہ داروں کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ دوستوں کی غرضیں بھی۔ رات سونے لگتی تو ایک کال آتی۔

''تمہارا دن کیسا گزرا؟'' وہ مسکراتی۔

ایکسر سائز مشین کی آواز آتی رہتی اور وہ اپنے دن کی روداد سناتا رہتا۔ وہ محفوظ سی رہتی...... یقین جانیے خود کو محفوظ سمجھتی۔ پھر ایک رات دو بجے اس کا فون چنگھاڑا۔ وہ خوف زدہ ہوگئی۔ فون اٹھایا کہ خوف کبھی بھی حل نہیں ہوتا۔

''امی سے بات کرو۔'' پریشان سا لگا۔ نیند سے بند آنکھیں فوراً کھلیں۔

''باقی باتیں تو تم دونوں خود طے کر لینا...... مجھے تو یہی طے کرنا ہے کہ بارات کس دن آئے۔ میرا خیال ہے دسمبر کی تین تاریخ ٹھیک رہے گی۔ اتوار ہے تم لوگوں کے دوست بھی شرکت کر سکیں گے۔'' وہ چپ ہوگئیں۔ امی کو احساس ہوا۔

''زرنین بیٹا...... کیا ہوا؟ میں تو اس بدتمیز کو پہلے ہی کہہ رہی تھی دو سال اور دیکھ لے۔ ابھی لڑکی کو سوچنے دو۔ ویسے بھی......''

''نہیں آنٹی میں یہ سوچ رہی تھی کہ تین والے سے اگلا اتوار کر لیں سب دوستوں کی پے (تنخواہ) بھی آ جائے گی۔'' اسے دو چار قہقہے سنائی دیے۔

ادھر جب وہ فون لے کر کمرے سے باہر نکلا تو عمارہ بولی۔

''پاگل دس بجے سے ہمت جوڑ رہا تھا۔ لڑکی نے دومنٹ میں سب فائنل کر لیا۔ یہ ہوتی ہے طاقت نسواں۔'' سب ہنسنے لگے۔ دادی کو ہول اٹھا۔

''کی (کیا) ہوگیا؟''

''دادی آپ کے سردار کے دن طے ہو گئے شادی کے۔'' عمارہ اونچا بولی۔

''سارے مل جل کے خود ہی کرو۔ اس بڈھی بڈی سے نہ پوچھنا۔'' دادی کا ریکارڈ شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

پچھلے دو گھنٹے سے وہ اپنے ماموں کے خاندان کے ساتھ کھڑا انتظار میں تھا۔ زرنین، منیبہ کے ساتھ انہیں جوائن کرنے والی تھی۔ لیکن وہ کہیں نہ تھی۔ ایاز ماموں مسکرا کے اس کا تپا ہوا چہرہ دیکھتے۔

''ابھی آ جائے گی بھانجے۔ تب تک بچیاں دوسری شاپنگ کر لیتی ہیں۔ پھر ایک عروسی جوڑا ہی رہ جائے گا۔ وہ تم لوگ مل کے لے لینا۔'' وہ سر ہلاتا جاتا اور نمبر بھی ملاتا جاتا۔ ماموں مصروف انسان تھے۔ مصروفیت سمجھتے بھی تھے۔ وہ سب سے معذرت کرتا وہاں سے نکلا۔

سورج نارنجی اور ارغوانی سا ہو رہا تھا جب وہ اس کے گھر کے باہر پہنچا۔ بیلوں کے پھول رخ زمین کو موڑ چکے تھے۔ لان تھکا ہوا...... ویران لگتا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے منی؟ ایسا شرمناک اتفاق؟'' زرنین کی بھاری تنفر زدہ آواز سنائی دی۔ وہ قدم روک بیٹھا۔

"وہ عام سا دیسی سا لڑکا تھا...... دل بھول ہی بیٹھا۔ زمین، جائیداد، گھر، رہن سہن، معیار زندگی...... ہر شے پہ سمجھوتہ کر ڈالا مگر...... ایاز خان یہ کیسے سمجھوتہ کروں...... وہ ایاز خان جو کبھی میری گردن پہ جھپٹتا تھا تو کبھی ہاتھ پر مجھے افسوس ہے کہ میں انجان رہی کہ کرش کا کوئی تعلق بھی نکل سکتا ہے میرے مستقبل سے...... مگر کراہیت محسوس ہو رہی ہے مجھے داؤد سے...... وہ کیسے انجان رہ سکتا ہے؟ جب اسے میرا انسٹیٹیوٹ معلوم تھا تو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا سگا ماموں ہی میرا مجرم ہے؟ وہ بھی وہی نکلا عام مرد...... نیلی آنکھیں، گوری رنگت، اعلیٰ عہدہ...... گھر بسا نہیں تو کیا ہو تو جائے گا واہ......"

وہ زرد رنگت لیے واپس پلٹا...... رکتا تو دھڑکن بھی رک جاتی۔

☆☆☆

دونوں رابطہ توڑے...... رشتہ ٹوٹنے کا انتظار کرنے لگے۔ انتظار طویل ہونے لگا۔ دو سال بیت گئے۔ غفران کی شادی اٹلی میں ہوئی۔ دوست شرکت نہ کر سکے۔ وہ پاکستان آیا تو ایسا ناراض ہوا کہ سب دوستوں نے نتھیا گلی والے معظم کی طرف رخت سفر باندھ لیا۔ پاکستان کے چاروں صوبوں سے وہ لوگ اکٹھے ہوئے۔ ہٹ کی دیودار لکڑی نے ماضی میں اتنے قہقہے کبھی نہ سنے ہوں گے۔

وہ تھکی ہوئی پہنچی تو سب سٹنگ ایریا میں آتش دان کے پاس بیٹھے تھے۔ عجب ہاہا کار مچی تھی۔ وہ سب شاندار بیوروکریٹ ہیں...... یہ بات کسی کو یاد نہ تھی۔ وہ کافی کے آخری گھونٹ لے رہی تھی۔ جب اس نے شاہ رخ کے ساتھ اندر داخل ہوتے داؤد کو دیکھا۔ فروری کی یخ بستگی اس کی ہڈیوں کا سفر کر آئی۔ سب اٹھ گئے۔ آرام کیا...... وہ بے چین رہی۔

"اگر پتا ہوتا میں کبھی نہ آتی یا خدا۔" پر تکلف کھانا ہوا۔ سٹنگ ایریا پھر سے آباد...... دہکتے گالوں کو یخ انگلیوں میں دبائے وہ زمین کو گھورے جاتی کہ وہ سامنے پورے استحقاق سے براجمان تھا۔ نظر انداز یوں کرتا کہ زرنین کو خود کے ہونے پر شک سا ہونے لگتا۔ وہ محفل کا رنگ تھا۔ سب اس کے چٹکلوں کے منتظر...... غفران کی بیوی اسے شادی کا مشورہ دینے لگی تو وہ رکا۔ ہنسا بولا۔

کیا بتلائیں گے احباب کیا کار نمایاں کر گئے
سی ایس ایس کیا، نکاح بھی کیا، پر بنا رخصتی کے مر گئے

"اوہ......" وہ سب کے چہرے دیکھتی ہتک سے سرخ پڑ گئی۔ اسے گھورا مگر وہ غافل سا بیٹھا رہا۔ کون ہے؟ کیسی ہے؟ کب ملی؟ جیسے سوالات سنتا رہا۔ پھر بغور اسے دیکھنے لگا۔ یوں کہ وہ چیخ اٹھی۔ سرخ آنکھوں سے دھاڑی۔

"مجھے مت گھورو سردار داؤد عباس چٹھہ...... تمہارا میری طرف کوئی حساب نہیں نکلتا۔"

"میں نے ایسا کب کہا؟" آواز سرد تھی۔

"تو پھر بتاؤ سب کو...... ہمارے درمیان کچھ......" داؤد یک لخت کاؤچ سے اٹھا۔ اس کی جانب بڑھا۔ وہ گھبرا کے چپ ہوئی۔

"تو کیا سب میں ہی کروں؟ تم کس لیے ہو محترمہ کبھی یہ بھی سوچا؟ صرف نیلی آنکھیں، گوری رنگت، اعلیٰ عہدہ...... صرف یہی لوگوں کو دکھانے کے لیے اور کچھ نہیں؟ اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں کہ کسی کے احسان کو ہی مان سکو۔" آواز اونچی، لہجہ سرد...... وہ خالی ہوتی گئی۔

"کیا ہو تم؟ بولو...... آج روبرو بتاؤ ہو کیا تم؟"

"داؤد۔" غفران پریشان سا آگے بڑھا۔ زرنین کی اٹکتی آواز سن کے رکا۔

"نکاح کو احسان بنا ہی دیا تم نے۔"

"میں نے صرف احسان بنایا ہے تم نے تو گناہ ہی بنا دیا۔ کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔ کچھ بھی کر سکتی ہو تو چلو یونہی سہی۔ میں آج تم سے ہزار گناہ بہتر درجے پہ ہوں پھر بھی تمہیں نیلی آنکھیں اور گوری رنگت ہی سب نظر آئی ہے تو شکریہ گرد میرا اور باوقار لوگوں کی طرح ختم کر دو اس احسان کو۔" آنسو مستقل ہو گئے۔ امجد نے داؤد کا بازو جھنجھوڑا وہ سرد سا اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"یہ احسان، تمہارے اپنوں، اور کچھ میرے

اپنوں کی وجہ سے لیا اور......"

"ہاں...... میرے سوتیلے ماموں، جنہیں میری ماں میرے اعلیٰ عہدے کے بعد نظر آئی، ان کے اعمال پہ تم ترازو لیے بیٹھی ہو تو میں جان چھوٹ جانے پہ خود کو خوش قسمت تصور کروں گا۔" وہ امجد کو پیچھے کرتا باہر نکلا۔ اس نے چاروں اور دیکھا ہوا کا کوئی ذریعہ نہ دکھا۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔ سب اس کی طرف بڑھے تھے۔

☆☆☆

"انسان ہے وہ فرشتہ نہیں...... ساڑھے چھ سال بہت ہوئے کسی کو پوجنے کے لیے۔" وہ بے تحاشا روئی بیٹھی تھی۔ اب سب اپنا اپنا تجزیہ پیش کرنے میں پیش پیش تھے۔ باری امجد کی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے سب یونہی ہوتا گیا۔ نکاح ہوا تو شاہ دل یونہی مان گیا۔ تمہاری نانو نے ساری عمر بعد یونہی بیٹھے بٹھائے اپنا آبائی گھر بیچنے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر فصیح نے تمہاری ڈھائی منٹ، کی تقریر پر وہ شدید متنازعہ گھر خرید بھی لیا۔ نیا گھر، پرامن شفٹنگ، آبائی گھر کے فائلوں میں بند کاغذات تحصیل دار...... سیشن کورٹ کے چکر، زرمین کا انتقال۔ تم لوگوں کی سیکیورٹی۔ ان ساڑھے چھ سالوں میں میں نے اسے ان سب کاموں کے لیے پاگل ہوتے دیکھا ہے بی بی۔ تمہیں آج چھینکیں آرہی ہیں...... نانو کی دوائی کی صرف ایک خوراک رہ گئی ہے...... بالائی منزل کا سیوریج ناکارہ ہو رہا ہے...... شاہ دل کن کن مشکوک لوگوں سے مل رہا ہے...... یہ سب بھگتتے اسے میں نے دیکھا ہے۔ کس لیے؟ تمہاری نیلی آنکھوں کے لیے...... نہیں بالکل نہیں محترمہ۔ اسے تو ہیر جیسی لڑکیاں پسند ہی نہیں تھیں۔ اس نے سب چپ چاپ کیا...... اس لیے کہ پہلی ہی ملاقات میں اسے نانو نے یہ کہہ دیا تھا کہ، کم نسل سے وفا نہیں...... اور اصل سے خطا نہیں۔ بعد کا مجھے نہیں پتا...... شاید، شاید اسے ہوگئی ہو اس رشتے سے محبت۔ مگر محبت، وفاداری، سے بہت بعد میں آتی ہے محترمہ۔ وہ بھی داؤد کی زندگی میں تو بہت بعد میں۔"

وہ پھر سے رونے لگی۔ سب نے پہلو بدلے۔ تسلیاں دی۔

"اب کیا چاہتی ہو؟" منیبہ کو صرف وہی دکھتی تھی...... دوست جو ٹھہری۔ بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی۔

"میں کچھ نہیں چاہتی...... بس سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ سب کچھ پہلے کی طرح ہو جائے۔" سب کھل کے مسکرائے تھے۔

"بات یہ نہیں کہ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ بات یہ ہے کہ میں اس کے بغیر رہنا ہی نہیں چاہتی اور یہ بات ان دو سالوں میں، میں نے خود سے بارہا چھپانے کی کوشش کی ہے...... میں ہار گئی۔" منیبہ نے اسے گلے لگایا تھا۔ سب سکون کی پناہ میں آگئے تھے۔

☆☆☆

وہ پانچ مارچ کی رات تھی۔ لاہور کا آسمان روشن ستاروں سے بھرا تھا۔ ہلکی نم ناک ہوا...... ماڈل ٹاؤن کے چھوٹے سے خوب صورت بنگلے میں خوشی کی پائل اپنی چھنکار بھر چکی تھی۔ املی کے درخت پہ جگہ جگہ ترکش لیمپ لٹک رہے تھے۔

درخت کے نیچے درمیانے سائز کی چوکور میز...... رات کے کھانے کے لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ دائیں طرف والی کرسی پہ لڑکا بیٹھا تھا۔ سرمئی ڈنر سوٹ میں بالوں کو جمائے، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے، کوٹ کرسی کی پشت پہ لٹکائے وہ تھکن زدہ سا دکھتا...... ہولے ہولے مگر شوق سے کھانا کھاتا۔ بائیں طرف لڑکی تھی۔ مکمل سیاہ لباس پہنے، کندھے تک آتے بالوں کو خوب صورتی سے باندھے، سرخ لپ اسٹک والے ہونٹ دباتے، وہ تھکے ہوئے لڑکے کو دیکھتی جاتی۔ آنکھیں کبھی مسکرانے لگتیں تو کبھی رونے کو بھر جاتیں۔ ہونٹ کچھ بولنے کو کھولتی پھر نتائج ماپنے لگتی۔

"اچھا کھانا بنانا...... عورت اگر اس میں ماہر ہو تو مرد اس سے محبت کرنے کے لیے خود کو مجبور پاتا ہے۔ یہ اور بات کہ محبت ہانڈیوں، سے مشروط ہو ہی نہیں سکتی۔" وہ تھکی ہوئی سرمئی آنکھیں لڑکی پہ گاڑ کے بولا۔

"تم سیدھے سے یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ میں نے ڈنر اچھا بنایا ہے۔" وہ مسلسل اس کی آنکھوں کو دیکھتے

بولی۔ شور مچا۔ دونوں نے سر اٹھایا۔ چھت سے موجود باقی دوستوں نے قندیل جلانے کی قسم اٹھا رکھی تھی اور قندیل نے نہ جلنے کی۔ ہر کوئی تجربہ کرنے پہ تلا تھا۔

"عمارہ نے کہا... تم نے ترس کھایا تھا مجھ پر۔" انجیر کا ٹھیلا اسے سرد کرتے وہ لہجے کو نارمل کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں..... تمہارا ترس نہ ہوا، ٹلٹی وٹامن ہو گئے۔ کھاتے کھاتے انجیر کا ہو گیا ہوں۔" مکمل اعتماد سے آنکھوں میں دیکھ کے بات پوری کی۔

"تو بول دیتے... نانو کا انتظار اتنا طویل نہ کرتے۔"

"مہربان تھیں وہ مجھ پہ..... مہربانوں کے سامنے الفاظ ضائع کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

ایک بار پھر شور مچا وہ اوپر دیکھنے لگا۔

"تمہیں کچی میں ہیری سی لڑکیاں پسند نہیں؟"

"بالکل نہیں..... میٹھا اچھا ہے۔ بالآخر کار ہی نے نانو کی ڈانٹ کھاتے کھاتے یہ سیکھ ہی لیا۔"

"میں معذرت چاہتی ہوں۔ مجھے تمہاری بات سننی چاہیے تھی۔"

"یار اب بس کر دو۔ کر وا اظہار اور اوپر آؤ۔ یہ قندیل والا فلاپ آئیڈیا کامیاب کروا کے۔" غفران نے اکتا کر کہا۔ سب میرس پہ کھڑے منتظر تھے۔ وہ ہنسا۔

"داؤد کوئی سی دو لائنیں گنگنا دو یار۔" امجد نے آسان ترکیب بتائی۔ وہ فولڈ کی ہوئی آستینوں کو مزید فولڈ کرنے لگا کچھ سوچا۔ مسکرایا۔ زرنین کا دل ہاتھوں میں دھڑکنے لگا اور وہ ہاتھ داؤد نے تھاما۔ شروع ہوا۔

آج سے میری ساری خوشیاں تیری ہو گئیں
آج سے تیرا غم میرا ہو گیا

وہ بہت بے سرا تھا۔ دوست جانتے تھے زرنین نے آج جانا۔ پھر بھی نہال ہوئی۔

تیرے کاندھے کا جو تل ہے
تیری پلکی کا جو بل ہے
تیرے سینے میں جو دل ہے
آج سے میرا ہو گیا

سارے دوست کانوں پہ ہاتھ رکھے بالکونی سے ہٹتے گئے مگر وہ کھڑی رہی۔ ہاں وہ سنتی رہی کہ وہ..... ساری عمر سننے کو تیار تھی۔ بس وہ اپنے معتبر ہوئے ہاتھ کو دیکھتی جاتی۔ اور سنے جاتی۔ پھر اس نے مستقبل میں کچھ اور بھی سنا۔ جب وہ بھاری ارغوانی لباس پہنے آنکھیں جھکائے بیٹھی تھی۔ ہاتھ سرد پڑ چکے تھے کہ کرنل ایاز خان آج بھی آر پار ہوتی نگاہوں سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ مگر آج آنکھوں میں غضب ناکی تھی۔

"تمہاری اتنی جرأت....." جیسی دھمکی بھی۔

پھر سے اس کا سرد ہاتھ تھاما گیا۔ اور کچھ کہا گیا۔

"ماموں..... آپ زرنین سے ملے؟ یقیناً مل چکے ہوں گے۔ آپ کی یونیورسٹی کی گریجویٹ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آج اس جگہ پہ میرے ساتھ یہ ہی کیوں موجود ہے؟ کیونکہ یہ لڑکی جسے میں سات سالوں سے جانتا ہوں..... اس نے یہ ثابت کیا کہ اگر زمانہ ہوس رکھتا ہے تو یہ جرأت اور پختہ کردار رکھتی ہے۔ مجھے خوب صورت لڑکی تو یقیناً مل ہی جاتی مگر ایسی لڑکی شاید نہ مل پاتی کہ جسے میں دنیا کے ہر مرد کے سامنے فخر سے ہاتھ تھامے لے جاتا کہ دیکھو یہ صرف میری عورت ہے۔ ایسی لڑکیاں اب کم ہی ملتی ہیں..... آپ تو جانتے ہوں گے۔ مزید یہ کہ..... یہ کیا اسے اس کے خاندان سے ملی ہے اس کی نانی اماں اور ماں سے ملی ہے۔" وہ رکا۔

"ماموں یاد ہے ایک دفعہ آپ نے ہی مجھ سے کہا تھا، ہار جانا..... ہتھیار ڈال دینے سے اتنا ہی بہتر ہے..... جتنی جنت، جہنم سے اور میں اس لڑکی کی عزت کرنے پہ خود کو مجبور پاتا ہوں کہ لڑکی..... آخری حد تک۔" گردن موڑ کے اسے دیکھتا رہا۔ ایاز خان بھیڑ میں کہیں گم ہو گئے۔

"غفران کے گھر میں تم..... تم نے مجھے انسلٹ کیا تھا۔" ٹھنک کے یاد دلایا گیا۔ وہ ہنسا۔

"اگر تمہیں وہ خوراک نہ دیتا تو یہ آج کی تقریب دو سال مزید دیر سے ہوتی۔" دونوں ہنسے یوں کہ قدرت کا سینہ ٹھنڈا ہوتا گیا۔ عورت اور خوب صورتی کے بجائے عورت اور کردار کی مضبوطی کا تصور جیتا تھا کہ شاید اب کچھ مردوں کی ترجیحات الگ ہوئی تھیں۔